بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۳ | ماہ اکتوبر ۲۰۱۵ء مطابق ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ | شمارہ نمبر ۱۰

مدیر خلیل الرحمان سجاد نعمانی

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر/مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	۵
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۱۷
۳	قران کرین کا تصور فلاح	پروفیسر توقیر عالم فلاحی	۲۵
۴	مثالی بھائی	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی	۳۳
۵	حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دور حاضر کے تناظر میں	مفتی زین العابدین قاسمی	۴۵

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ .V.P ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر پیش کیے جا رہے ہیں ان مقامات یا قرب و جوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹر)	مفتی حسین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ پونہ (مہاراشٹر)	قاضی بک ڈپو [illegible] بک ڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086
۵۔ گورکھپور (اتر پردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنہ (مہاراشٹر)	محمد اختر	+91-9225715159

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زر تعاون برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زر تعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی -/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زر تعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے، مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہونے پر ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ :	Mr. RAZIUR RAHMAN 90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ
پن-۲۲۶۰۱۸ - یوپی، انڈیا۔ فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک
اتوار کو آفس بند رہتا ہے ــــــ

خلیل الرحمن سجاد کے لیے پرنٹر پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

مدیر/مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نگاہ اولیں

(۱)

گذشتہ ماہ (ستمبر ۲۰۱۵) کے ''نگاہ اولیں'' کی آخری سطروں میں راقم سطور نے عرض کیا تھا:

''دراصل ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی طرح ملک میں مظلوموں اور انصاف پسندوں کو جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اکھٹا کر کے موجودہ صورتحال کو بدلنے کی ایک طویل جدوجہد برپا کی جائے، اس کے راستے ملک میں ہنوز کھلے ہوئے ہیں، بس ضرورت ہے ان لوگوں کی جو ذاتی مفاد سے بالاتر ہوکر ملک وملت کے حالات میں مثبت تبدیلی لانے کی پر خلوص، حوصلہ مندانہ اور دانشمندانہ کوشش کریں۔

کچھ دھندلے آثار ایسے نظر آرہے ہیں کہ شاید آنے والے دنوں میں اس جانب کوئی پیش رفت شروع ہو۔۔۔''

اللہ کا شکر ہے کہ جس پیش رفت کے آثار نظر آرہے تھے وہ شروع ہوچکی ہے، آج کی صحبت میں اسی کا تذکرہ کرنا ہے۔ اور اس کے حوالے سے کچھ اصولی باتیں عرض کرنی ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ عرض کرنا ہے کہ ۷/ جون کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ نے اپنے لکھنؤ کے اجلاس میں ملک کے حالات کے تفصیلی جائزہ اور غور وخوض کے بعد یہ طے کیا تھا کہ وہ ملک کے آئین اور دین و شریعت کے تحفظ کے لئے انصاف پسند برادران وطن کو ساتھ لے کر میدان عمل میں اترے گا اور اس مقصد سے اس نے ایک مجلس عمل کی تشکیل اور ایک ملک گیر تحریک چلانے کا فیصلہ کیا تھا، جس کی قیادت کی ذمہ داری اس نے ملک کے ممتاز عالم وقائد اور بورڈ کے (کارگزار) جنرل سکریٹری مولانا محمد ولی رحمانی کے سپرد کی تھی۔

چنانچہ اگست کے پہلے ہفتے میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے ملک کی صورت حال اور مشترکہ جدوجہد کے امکانات اور لائحۂ عمل پر غور کرنے کے لئے مختلف مذہبی وسماجی اکائیوں کے قائدین کو ۱۸/ اگست کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں مدعو کیا گیا، وقت مقررہ پر تمام ہی مدعو حضرات پہونچ گئے۔ شرکاء کے نام یہ تھے:

۱۔	ڈاکٹر مائیکل ولیمس	
۲۔	فادر گیان پرکاش ٹوپنو	یہ چھ حضرات
۳۔	فادر سواری موتو	عیسائیوں کی مختلف
۴۔	جناب رجیش لال	تنظیموں کے قائدین
۵۔	جناب جان دیال	وذمے داران ہیں۔
۶۔	جناب اے،سی،مائیکل	
۷۔	جناب وامن میشرام صاحب	صدر بام سیف و بھارت مکتی مورچہ
۸۔	جناب اشوک امبیڈکر	بدھسٹ سوسائیٹی آف انڈیا
۹۔	جناب راج رتن امبیڈکر	بدھسٹ سوسائیٹی آف انڈیا
۱۰۔	جناب سوامی کورنیشور	لنگایت
۱۱۔	جناب گرپیت سنگھ	شرومنی اکالی دل
۱۲۔	بھائی بلدیپ سنگھ	چیرمین انادفاؤنڈیشن
۱۴۔	ہرمیندر سنگھ	یونائیٹڈ سکھ مشن
۱۵۔	ایڈوکیٹ پرمود سنگھ	
۱۶۔	جناب ہرش مندر	انسانی حقوق کے لئے سرگرم سابق آئی،اے،ایس آفیسر

میٹنگ کے شروع میں بورڈ کی طرف سے ملک کی موجودہ صورت حال اور اس کے متوقع خطرناک نتائج کے بارے میں ایک تجزیہ پیش کیا گیا، اور اس ضرورت کا احساس کہ ہم سب کو ایک ساتھ مل کر حالات کو تبدیل کرنے کی ایک پرامن آئینی جدوجہد کرنی چاہئے، الگ الگ رہ کر صدائے احتجاج بلند کرتے رہنے سے مقصد کا حصول ممکن نظر نہیں آتا۔ شرکاء اجلاس نے کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا، اور نہ صرف یہ کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس اقدام کی تائید کی بلکہ صاف لفظوں میں یقین دلایا کہ ہم ملک کے سیکولر جمہوری ڈھانچے کی حفاظت کے لئے اور ایک مخصوص مذہب وتہذیب کو ملک کے تمام باشندوں پر مسلط کرنے کے اقدامات کی مخالفت کے لئے مل جل کر کام کریں گے۔

میٹنگ میں غور وخوض کے بعد مشترکہ جدوجہد کے لئے جو بنیادی نکات منظور کئے گئے، ریکارڈ کے لئے اور ناظرین کی دلچسپی کے پیش نظر ذیل میں ان پر مشتمل اصل انگریزی مضمون اور اس کا ترجمہ یہاں

پیش کیا جاتا ہے۔

We the people of India gave to ourselves one of the finest constitutions of the World. its pillars mentioned in its preamble are Justice, Liberty, Equality and Fraternity. Each of these are under grave threat in current times.

It was clear to the minds of Founding Fathers and Mothers that the constitution should guarantee equal apportunities and equal protection to every person, regardless of gender, ethinicity, language, caste or religion. It should ensure the freedom of belief , faith and worship, and also ensure a peaceful existence and prosperity for all its citizens, particularly the poor, the downtrodden and the oppressed. Therefore it is enshrined in the Constitution that India will be a secular state. The government will not follow or promote any faith , nor would it discriminate against any person on the basis of his or her religious faith. Every citizen would be free both to follow and propagate any faith. The Constitution also bound the state to fight poverty, hunger, want and inequalities of wealth and income and to ensure equal access to education, health care and decent work.

However religious minorities in particular are being made to feel they are second class citizens with attacks on places of worship, and on people and their properties based on their religious identities. The aggressively coercive incidents of "Ghar wapsi" or home coming, the conversion of Muslims and Chirstians to a particular faith is a case in point. All communities are at home in India, all are equal.These actions mock at the freedom of faith guaranteed by our Constitution.

As people of this country, We are also deeply worried at the growing inequalities of income, the existence of hunger, and malnutrition and the neglect of education, health, agriculture and social security for the masses.

Therefore today on 18 August 2015 We the people of India, regardless of our religious faith and belief, our gender, caste, class, language and ethinicity,Agree to come together

for the following **"COMMON MINIMUM PROGRAMME"** and unanimously decide to collectively strive for the same.

COMMON MINIMUM PROGRAMME

1. To strive hard to protect and implement the Constitution and its vital fundamentals like, Secularism, Justice, Liberty, Equality and Fraternity.
2. To strive hard to maintain the secular character of the curriculum in the education system of the country and to fight against any intervention to alter it.
3. To oppose every intervention meant to deprive us as well as any other social and religious unit of the Country, the liberty of faith and belief.
4. To oppose all measures whieh weaken the duty of the state to promote the well.being education health care and social security of india's poor masses
5. To launch a compaign to remain in touch with the masses so so as to create awareness regarding the above mentioned issues.

ترجمہ:

ہم بھارت کے عوام نے اپنے لئے ایک ایسا آئین مرتب کیا تھا جسے بجا طور پر دنیا کے بہترین دستوروں میں شمار کیا جاسکتا ہے، اس آئین کے بنیادی ستون: انصاف، حقوق کی آزادی، مساوات اور اخوت و بھائی چارہ ہیں مگر آج ان میں سے ہر ستون کو شدید خطرہ لاحق ہے۔

ہمارے آباء واجداد جنہوں نے اس آئین کو بنایا ان کے ذہنوں میں یہ بات مکمل طور پر واضح تھی کہ آئین کے ذریعہ بھارت کے ہر باشندے کو مذہب و برادری، زبان وجنس اور ذات پات کے کسی فرق کے بغیر برابر کے تحفظ اور مواقع کی ضمانت ملے۔ اور یہ کہ آئین کے ذریعہ سے عقیدہ و مذہب اور عبادت کی آزادی، پرامن بقائے باہمی اور خوش حالی ملے، اور خاص طور پر غریب، بچھڑے اور مظلوم طبقات کے لئے ترقی وخوش حالی کو یقینی بنایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ آئین میں یہ بات خصوصیت سے ذکر کی گئی ہے کہ بھارت ایک سیکولر ملک ہے۔ جس کی بنا پر حکومت کا نہ کوئی سرکاری مذہب ہوگا، نہ وہ کسی مذہب کو فروغ دے گی اور نہ ہی اس کی پشت پناہی کرے گی اور مزید یہ کہ وہ کسی کے ساتھ، دین و مذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں برتے گی۔ بھارت کے ہر شہری کو یہ آزادی ہوگی کہ وہ جس مذہب کو چاہے اپنائے اور اس کی تبلیغ کرے۔

آئین، حکومت کو اس بات کا بھی پابند بناتا ہے کہ وہ غربت، بھوک، محتاجی، دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز اور معاشی نابرابری کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے، اور حکومت اس امر کو یقینی بنائے کہ

تعلیم، صحت اور مناسب روزگار ہر ایک کے لئے مہیا ہو۔

مگر آج کل مذہبی اقلیتوں پر، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے املاک پر، ان کی مذہبی شناخت کو بنیاد بنا کر حملے کر کے ان کے اندر دوسرے نمبر کے شہری ہونے کا احساس پیدا کیا جا رہا ہے۔ جس کی واضح مثال مسلمانوں اور عیسائیوں کو، ایک مخصوص مذہب کو جبراً، قبول کرانے والے واقعات ہیں جو ''گھر واپسی'' کے نام سے وقوع پذیر ہو رہے ہیں، جبکہ حقیقت میں بھارت تمام فرقوں کا ''گھر'' ہے، اور سب برابر ہیں۔

یہ اور اس طرح کے واقعات، آئین کی جانب سے دئے گئے، مذہبی آزادی کے حقوق کی ضمانت کا مضحکہ اڑاتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔

دولت کی بڑھتی نابرابری، بھکمری اور غربت و افلاس، قلت تغذیہ، اس کے ساتھ ساتھ زراعت، تعلیم اور صحت کے میدان میں بڑھتی غفلت و لاپرواہی، عوام الناس میں فروغ پاتا ہوا معاشرتی عدم تحفظ کا احساس، یہ اور اس طرح کے امور بھی اس ملک کے باشندے ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے باعث فکر و تشویش ہیں۔

اس لئے، آج بروز منگل ۱۸ / اگست ۲۰۱۵ کو ہم اس ملک کے شہری، بلاتفریق دین و مذہب، جنس و ذات پات اور زبان و نسل ''ایک متفقہ پروگرام'' پر اتفاق کرتے ہیں اور متفقہ طور پر یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم سب ان درج ذیل مقاصد کے لئے ہر ممکن مشترکہ جدوجہد کریں گے۔

۱۔ ملک کے آئین کے تحفظ اور اس کی بنیادی اقدار، سیکولرزم، انصاف، آزادی، مساوات اور بھائی چارگی پر عمل درآمد کو یقینی بنانا۔

۲۔ تعلیمی نظام اور نصاب کے سیکولر اور سائینٹفک مزاج اور کردار کے تحفظ اور اس کے خلاف اٹھائے جانے والے ہر قدم کے خلاف جدوجہد۔

۳۔ ہم کو، یا ملک کی کسی بھی سماجی یا مذہبی اکائی کو عقیدہ و مذہب کی آزادی سے محروم کرنے والی ہر مداخلت کی پرزور مخالفت۔

۴۔ ہر ایسے اقدام کی مخالفت جو بھارت کے غریب عوام کی خوش حالی، تعلیم، صحت اور سماجی تحفظ کے تئیں ریاست کی ذمے داری کو کم کرے۔

مذکورہ بالا مسائل میں عوامی بیداری پیدا کرنے کے لئے عوام سے مسلسل رابطے میں رہنا اور ملک گیر پیمانے پر اس سلسلہ میں تحریک برپا کرنا۔

۱۸ / اگست کی میٹنگ میں یہ بھی طے پایا کہ ہم سب جلد ہی ایک مشترکہ پریس کانفرنس کے ذریعہ پوری قوم کو اپنے اس فیصلے کی اطلاع دیں گے، چنانچہ ۲۱ / اگست کو پریس کلب آف انڈیا میں وہ پریس

کانفرنس کی گئی، جس میں بدھسٹ سوسائٹی آف انڈیا کے صدر راشوک امبیڈکر اور اس کے فعال کارکن راج رتن امبیڈکر (جو ڈاکٹر بھیم راو امبیڈکر کے پوتے اور پرپوتے ہیں)، لنگایت سماج کے رہنما جگت گرو مروتھن جے اور سوامی کورنیشور، عیسائی رہنما جناب اے، سی، مائیکل پسماندہ اقوام اور اقلیتوں کے مفادات کے لئے کام کرنے والی تنظیم بام سیف اور بھارت مکتی مورچا کے قائد وامن میشرام اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے کارگذار جنرل سکریٹری اور مجلس عمل برائے تحفظ دین وشریعت کے کنوینر مولانا محمد ولی رحمانی اور رکن مجلس عاملہ کمال فاروقی نے خطاب کیا۔ تمام مہمان حضرات نے میڈیا کے سامنے ملک کے دستور اور اس کے سیکولر کردار کے تحفظ کے لئے چلائی جانے والی تحریک کا صاف لفظوں میں خیر مقدم کیا اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا، نیز اپنے مکمل

اور مستقل تعاون کا یقین دلایا بلکہ اس سلسلہ میں ایک اعلامیہ (Declaration) پر میڈیا کے سامنے دستخط بھی کئے، اس اعلامیہ کا متن یہ ہے:

[we the undersigned pledge for democratio,peaceful and collective struggle to achieve the aforementioned objectives through the common minimum programe We wow to present ourselves whenever called for this cause,we also pledge to co-operate in every endeavour meant to safeguard our secular and democratie Constitution and its effective implemention in all walks of life.]

ترجمہ:

''ہم دستخط کنندگان ذیل مذکورہ بالا مقاصد کے لئے ایک محدود مشترکہ پروگرام کے تحت جمہوری پرامن اور اجتماعی جدوجہد کا عہد کرتے ہیں۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ جب بھی ہمیں اس مقصد کے لئے بلایا جائے گا حاضر رہیں گے، ہم ہر اس کوشش میں بھی تعاون کا عہد کرتے ہیں جو ملک کے سیکولر اور جمہوری آئین کے تحفظ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس پر مؤثر طریقے سے عملدرآمد کے مقصد سے کی جائے گی''

۱۸/ اگست اور ۲۱/ اگست کی مذکورہ بالا میٹنگ اور پریس کانفرنس میں مختلف مذہبی اور سماجی اکائیوں کے رہنماؤں نے جس طرح ملک کی موجودہ صورت حال کے تعلق سے اپنی بے چینی اور فکر وتشویش کا

اظہار کیا، اور جس طرح انہوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ ایک مشترکہ جدوجہد کے لئے اپنی مکمل آمادگی ظاہر کی، اس سے ہم جیسوں کے اس احساس کو مزید تقویت پہونچی کہ اگر عقل وتدبر اور حکمت ودانش مندی سے کام لے کر نیک نیتی کے ساتھ جدوجہد کی جائے تو اب بھی بہت کیا جاسکتا ہے۔ اور تھوڑی مدت تک صبر استقامت کے ساتھ کوشش کے نتیجے میں اس زمینی سچائی پر پڑے ہوئے پروپیگنڈے اور ناواقفیت کے دبیز پردے چاک کئے جاسکتے ہیں، اور یہ سچائی بے غبار ہوکر سامنے آسکتی ہے کہ آج بھی ملک کی اکثریت ظلم وناانصافی کو پسند نہیں کرتی، مگر ہو یہ رہا ہے کہ اس اکثریت کو مخاطب کرنے والی اور اس کو باہم مربوط ومنظم کرنے والی کوئی کوشش نہیں کی جارہی ہے۔ اس کے نتیجے میں یہ اکثریت باہم منتشر اور غیر مؤثر ہے اور اس کے برعکس چھوٹی سے اقلیت ہے جو زمینی سطح پر محنت کرکے اپنی ایک چھوٹی سی طاقت بنالیتی ہے، اور وقتاً فوقتاً مختلف نعرے لگا کر نفرت کی آگ بھڑکا کر یا کچھ خوش نما یا دل فریب وعدے کرکے کچھ اور لوگوں کو ساتھ لے لیتی ہے اور ایسا تأثر دینے میں کامیاب ہوجاتی ہے کہ ملک کی غالب اکثریت اس کے ساتھ ہے۔

یہاں پر یہ یاد دلانا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روز اول سے مسلم پرسنل لا بورڈ کا طرز عمل یہ ہے کہ اس کی کوششوں کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو وہ حکومت کی پالیسیوں اور عدالت کے فیصلوں پر نظر رکھنے اور ان کو دستور وآئین اور عدل وانصاف کے تقاضوں کے پابند رکھنے کی تدبیریں اختیار کرتا ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کو اپنے دین وشریعت پر استقامت اور عقیدے وعمل کی خرابیوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور اس سلسلہ میں ان کے اندر بیداری اور احساسِ ذمے داری پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ موجودہ حالات کے تناظر میں بھی جس تحریک کے چلانے کا فیصلہ بورڈ نے کیا ہے اس کا ایک خطاب خود مسلمانوں سے ہے۔

ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے، اور گہرائی سے اس کو اور اس کے اثرات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ گذشتہ ۶۰۔۷۰ سالوں میں مسلمانانِ ہند کی خاصی بڑی تعداد مختلف اسباب وعوامل کے اثر سے کفر واسلام کے حدود سے ناواقف ہوچکی ہے، کتنی بڑی تعداد میں وہ لوگ ہیں جو ایمان کی کمزوری، علم کی کمی اور ذاتی مفادات کی غلامی جیسے اسباب کے زیر اثر کفر وشرک اور اس کے شعائر کو قبول کرنے لگے ہیں، اور آزادی کے بعد سے اس مقصد کے لئے کی جانے والی مسلسل کوششوں اور آہستہ آہستہ پلائی جانے والی زہر کی خوراکوں کے نتیجے میں، اور اپنی طرف سے غفلت، لاپرواہی اور نفسی نفسی کے مزاج کے غلبہ کی وجہ سے

ان کے دلوں میں جونفور کفر وشرک سے پہلے کبھی ہوا کرتا تھا، وہ اب بڑی حد تک کم ہوگیا ہے۔ بلا شبہ اس پوری صورت حال کا تقاضا ہے کہ نئے سرے سے اور بہت اہمیت کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے اور اپنی نسلوں کے ایمان کو درپیش خطروں سے آگاہ کیا جائے، اور ان کے ایمانی جذبے کو بیدار کر کے ''یا ایھا الذین آمنوا آمنو'' (اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے ایمان کو مکمل کرو) کی صدا بلند کی جائے۔

یہ ہے وہ تحریک جسے مسلم پرسنل لا بورڈ کی ہوش مند اور متوازن قیادت نے پورے ملک میں برپا کرنے کا اعلان کیا ہے، بلکہ عملاً اس کا آغاز بھی کر دیا ہے۔

ضرورت ہے کہ ملت کے ہر طبقے کے لوگ اس تحریک کی طرف سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہوں، اور زیادہ سے زیادہ لوگ اپنے وسائل اور صلاحیتوں سے اس کو مضبوط اور کامیاب بنانے کی کوشش میں شریک ہوں۔

ہمیں یہ بھی دھیان رکھنا ہوگا کہ جن جن جماعتوں، دینی مراکز اور حلقوں کی محنتوں اور کوششوں سے عام مسلمانوں کو جو ایمانی غذا ملتی ہے ان سب کے اندر چھوٹے چھوٹے مسائل کو بہانہ بنا کر آپس میں الجھا دینے اور اصل کام کی طرف سے توجہ ہٹا دینے کی بھرپور کوشش شیطان کی طرف سے کی جائے گی۔ بلکہ کی جارہی ہے۔ اللہ ہی ہمیں سمجھ دے اور ہم کو ان کاموں میں لگائے رکھے جن کی خود ہم کو اور پوری ملت کو ضرورت ہے۔ **نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات أعمالنا۔**

کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

عالمی سطح پر جو حالات و واقعات اس وقت رونما ہو رہے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کی اصل حقیقت کو سمجھنا، اور مستقبل میں کیا ہونے والا ہے اس کا اندازہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

سرِ دست صرف عالمی منظر نامے کے دو تازہ واقعات کا مختصراً تذکرہ کرتا ہوں۔ مگر پہلے ماضی کا ایک واقعہ:

شاید پچاس سال یا کچھ کم وبیش قبل کی بات ہے مملکت عربیہ سعودیہ کے ایک فرمانروا ملک سعود بن عبد العزیز ہمارے ملک کے دورے پر آئے تھے۔ اس موقع پر انہیں بنارس کے ایک بڑے اسلامی ادارے میں بھی جانا تھا، مگر سنا ہے کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہاں بڑے بڑے مندر ہیں، اور کھلے عام وہاں بتوں کی پرستش ہوتی ہے، تو انہیں وہاں جانے میں تردد ہونے لگا، مگر جب مقامی غیر مسلم مذہبی لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ آپ اپنا دورہ ملتوی نہ کریں، ہم ایسا انتظام کر دیں گے کہ آپ کی نظر

کسی بت پر نہ پڑے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ان کی رہ گذر پر واقع مندروں میں رکھے ہوئے بتوں پر پردے لٹکا دئے اور ملک سعود کی نظر کسی بت پر نہیں پڑی۔

ایک دور وہ تھا، اور ایک دور آج کا ہے کہ اسی جزیرۂ عرب کے ایک حصے ابوظبی میں نہ صرف یہ کہ وہاں کے ولی عہد بہادر ہمارے سیکولر ملک کے وزیر اعظم کی درخواست پر بڑی فیاضی کے ساتھ مندر کے لئے زمین عنایت فرما رہے ہیں بلکہ باتصویر خبروں کے مطابق عرب شیوخ بھی پوجا پاٹ کی رسوم ادا کرتے ہوئے پنڈتوں کی مدد کر رہے ہیں۔

ذرا عقل پر زور ڈال کر سوچئے کہ شکست رشتۂ تسبیح شیخ اور برہمن کی پختہ زناری کیا بتا رہی ہے؟؟ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟۔

دوسری طرف ایک اور منظر نامہ ہے جو ہم کو غور وفکر اور احتساب کی دعوت دے رہا ہے۔ مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مسلسل قتل وغارت گری سے تنگ آ کر جب لاکھوں مسلمان شام وعراق سے بھاگ کر پناہ کی تلاش میں ادھر ادھر کا رخ کرتے ہیں، تو مسلمانوں کی حکومتیں اپنی سرحدوں کو بند کر دیتی ہیں، مگر جرمنی کی عیسائی چانسلر لاکھوں مسلمان پناہ گزینوں کے لئے اپنے ملک کے دروازے کھول دینے کا اعلان کرتی ہے۔ گذشتہ کئی ماہ سے چانسلر انجیلا میرکل (Angila Mercel) کی مختلف تقریروں کی خبریں انٹرنیٹ پر نشر ہو رہی ہیں (مگر ہمارے ملک کے ذرائع ابلاغ ان کا مکمل بائیکاٹ کر رہے ہیں) جن کے چند جملوں کا ترجمہ پڑھئے:

> ''جرمن مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کا امتیاز مجھے منظور نہیں ہے۔ میرا تو یقین یہ ہے کہ اسلام جرمنی کا ایک حصہ ہے۔ نفرت، نسل پرستی اور انتہا پسندی کے لئے اس ملک میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہمارے ملک کی بنیاد یں جمہوریت، برداشت اور پوری دنیا کے لئے کھلا رویہ ہے۔''

ایک شامی پناہ گزیں نے فیس بک کے ذریعہ اپنا اثر اس طرح ظاہر کیا کہ:

> ''ہم اپنی آئندہ نسلوں کو یہ ضرور بتائیں گے کہ شام سے ہجرت کر کے جانے والے لوگ قریبی فاصلے پر واقع ہونے کے باوجود مکہ کی طرف جانے کے بجائے یورپ کا رخ کرنے پر مجبور ہوئے۔''

کیا تبدیلی قوم کا وقت قریب ہے؟؟؟

خدایا! ان عربوں کو عقل دے، خدایا! خلافت اسلامی کے قیام کے نام پر خون کی دریا بہانے

والوں کو سرفروشی کی تمنا کے ساتھ اسلام اور اس کے احیاء کے صحیح طریقۂ کار کی سمجھ بھی عطا فرما! اور گرفتارِ بوبکر و علی کو ہوش کے ناخون لینے کی توفیق بخش! اور جرمن قوم کو وہی صلہ دے کہ اپنی لازوال قدرت کا کرشمہ دکھا دے جو تو نے کبھی حبشہ کے عیسائی فرمانروا کو مکہ کے پناہ گزینوں کا استقبال کرنے پر دیا تھا اور اگر اس کے پیچھے کوئی سیاسی چال ہو تو اس کے نقصان سے ان لٹے پٹے مہاجرین کو بچا لینا! بلاشبہ ان سب واقعات میں بڑے سبق چھپے ہوئے ہیں۔ کبھی موقع ملا تو کچھ تفصیل عرض کی جائے گی۔ فی الحال شاعر اسلام کا یہ شعر گنگنائیے!

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

☆☆☆

(۲)

یوگا کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کا موقف

[گذشتہ دنوں میں کچھ حضرات کے بیانات اور میڈیا کی رپوٹنگ کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ **یوگا** کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کا موقف ملک کے دوسرے ممتاز اہل علم کے موقف سے کچھ مختلف ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے ترجمان **"ماہنامہ دارالعلوم"** (جولائی، اگست ۲۰۱۵) میں اس کے فاضل مدیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اپنے اداریہ میں نہایت واضح لفظوں میں جو موقف بیان کیا ہے، اس سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہوجاتا ہے —— ذیل میں ہم ماہنامہ دارالعلوم کے شکریہ کے ساتھ وہ مضمون اپنے ناظرین کی خدمت میں ادارتی صفحات ہی میں پیش کررہے ہیں —— **مدیر**]

ہندوستانی جمہوریہ کے مقررہ آئین و دستور کے مطابق ہمارا ملک ایک جمہوری ریاست اور سیکولر (لامذہب) اسٹیٹ ہے، لامذہب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ریاست اور ملک کسی ایک مذہب کا نہیں ہے،

بلکہ ہر مذہب اور ہر مذہب کے ماننے والے اس ریاست اور اسٹیٹ کے مالک ہیں اور ملک میں موجود جملہ مذاہب، ان کی مذہبی روایات وتعلیمات اور حقوق بغیر کسی فرق وامتیاز کے یکساں طور پر نافذ العمل ہیں۔ آئین بھارت کا پیش لفظ ودیباچہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ بہت سارے مذاہب جو اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس سیکولر اسٹیٹ اور لامذہبی ریاست میں نہ صرف باقی رہ سکتے ہیں، بلکہ اپنے طور پر ترقی کر سکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ صحیح طور پر سیکولرزم کا نفاذ ہو اور وہ اپنی حدوں سے تجاوز نہ کرے، اس ریاست کا نظام سیکولر بنیادوں پر اس لئے استوار کیا گیا ہے اور اسے سیکولر اور لامذہبی اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ کوئی مذہب اپنی عددی اکثریت اور غلبہ کی بنا پر راج گرو ہونے کے زعم میں نہ مبتلا ہو جائے۔

عالمی برادری میں ہمارا ملک اپنی اسی آئینی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے، بلکہ پوری دنیا میں سب سے بڑے جمہوری ملک ہونے کے اعزاز سے معزز ومفتخر ہے۔

ایک ایسا ملک جہاں مختلف نسل اور ذات کے لوگ رہتے ہیں، جہاں بھانت بھانت کی زبانیں بولی جاتی ہیں، جہاں رنگ برنگ کے رسم ورواج ہیں، جہاں درجنوں سے زائد مذاہب ودھرم پائے جاتے ہیں، ظاہر ہے ایسے ملک کی منتشر اور غیر مربوط اکائیوں کو باہم مربوط ومتحد رکھنے کے لئے سیکولر نظام اور مذہبی، لسانی، تہذیبی آزادی سے بہتر بظاہر کوئی اور صورت نہیں ہے، ہمارے پیش رو بزرگوں اور ملک کے معماروں نے جو سچے دل سے ملک وقوم کے بہی خواہ تھے بہت غور وفکر اور سوچ سمجھ کر ملک کے لئے یہ جمہوری وسیکولر ڈھانچہ مرتب کیا تھا۔

یہ امر انتہائی تشویشناک ہے کہ ملک کے اقتدار پر قابض طبقہ ملک کے آئین وقانون سے بے نیاز ہو کر اپنے مذہب کو راج گرو کے طور پر پیش کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہے، اس لئے ملک میں آباد مسلم، عیسائی، پارسی، سکھ بدھسٹ، جین وغیرہ سب کو ہندو بتایا جا رہا ہے، ہندوستان کی ایک سو پچیس کروڑ آبادی پر یوگا مسلط کیا جا رہا ہے اور زبردستی اسکول کے نصاب میں یوگا کو شامل کیا جا رہا ہے، جبکہ **یوگا** ایک برہمنی عبادت و ریاضت ہے، یہ ملک کا نہیں بلکہ ایک خاص طبقہ کا کلچر ہے، جسے ہندوؤں کے مذہبی پیشوا، رشی منی، سادھو سنت اور مٹھوں میں برہمنی مذہبی عقیدہ کے مطابق اپنے چیلوں کے ساتھ بطور فرض روزانہ انجام دیتے ہیں۔ **یوگا** جسے غلط طور پر ورزش کا نام دیا جا رہا ہے خود ہندو مذہبی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پانچ امور پر مشتمل ہے:

(۱) آسنا (جسم کو خاص ساخت میں ڈھالنا)

(۲) دھرنا (کسی خاص چیز پر دھیان دینا)
(۳) دھیانا (آنکھیں بند کر کے مراقبہ کرنا)
(۴) پرانیا (روح پر گرفت حاصل کرنے کی سعی کرنا)
(۵) سوریہ نمسکار (دونوں ہاتھ جوڑ کر سورج کو آداب بجالانا)

آخر دنیا کی وہ کونسی ایسی ورزش ہے جس میں ان مذکورہ امور کا التزام ہے؟

یوگا کی یہ شناخت اور پہچان خود بتا رہی ہے کہ یہ ایک مذہبی طریقۂ عبادت ہے، بالفرض اگر اس سے ورزشی فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے تو یہ اس کی ثانوی حیثیت ہے، اس کی اصل حقیقت تو عبادت وریاضت ہی کی ہے۔

اس لئے برہمنی مذہب کی اہم کتابوں مثلاً ویدوں اور بھگوت گیتا وغیرہ میں اس کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے، بالخصوص بھگوت گیتا میں ایک مستقل باب یوگا کے بیان میں ہے۔ ابوریحان بیرونی جو قدیم برہمی مذہب کا ایک مستند مسلم عالم ہے، اس نے بھی اپنی کتاب ''ما للھند'' عربی میں برہمنی مذہب کی کتابوں کے حوالے سے یوگا پر مفصل بحث کی ہے۔ ان سب حوالوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ''**یوگا**'' برہمنی رسوم عبادت پر مبنی ایک عبادت ہے، اس لئے جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ یوگا صرف ایک ورزش ہے عقیدہ، دھرم اور تہذیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، یا تو یہ لوگ ''**یوگا**'' کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں، یا جان بوجھ کر جھوٹ بول رہے ہیں، اور اس جھوٹ کے ذریعہ وہ اپنے مذہب کو سب پر تھوپنا چاہتے ہیں۔

موجودہ حکومت کا یہ رویہ آئین وقانون کے خلاف ہے، ملک کے کسی شہری پر اس کی مرضی کے بغیر کوئی عقیدہ، دھرم اور مذہبی طریقۂ عمل تھوپا نہیں جا سکتا، یہ ناروا کوشش جب بھی اور جس سطح سے بھی کی گئی ہے اس سے ملک میں بے چینی اور انتشار ہی پیدا ہوا ہے۔

مودی حکومت، اس کے وزراء، ارکان پارلیمنٹ اور پارٹی سربراہوں وغیرہ کے خلافِ آئین طریقۂ کار اور رویہ کو دیکھ کر خود انہی کے ایک انتہائی تجربے کار، معتبر سینئر رہنما کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ ملک ایمرجنسی کی طرف جا رہا ہے، اس لئے موجودہ برسر اقتدار لوگوں کو آخر ملک وقوم سے ہمدردی ہے تو انہیں اپنے رویہ میں صالح تبدیلی لانی چاہئے اور اگر ان کے نزدیک ملک وقوم کے مقابلے میں اپنی نیتی ہی عزیز ہے تو پھر وہ جو چاہے کریں اور اپنے کئے کے انجام کے بھی منتظر رہیں، کیوں کہ دنیا عمل اور ردعمل کا مجموعہ ہے۔

☆☆☆

محفل (۱۴۹) سورۃ الأنعام (۸)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی مشرک قوم

اہلِ توحید کے لئے ایک یادگار معرکہ اور مشرکین کے لئے سبق

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۶ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۸۷ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۸ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝۸۹ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۰

ترجمہ

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا آپ بتوں کو معبود مانتے ہیں؟ میں تو آپ اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ (۷۴) اور ہم اسی طرح ابراہیم کو زمین و آسمان کی بادشاہی کا مشاہدہ کراتے تھے، تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہوجائے (۷۵) سو جب (ایک دن) ایسا ہوا کہ اس پر رات کی چادر تن گئی تو ایک ستارہ اس نے دیکھا، اس پر وہ بولا کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ ڈوبا تو کہا کہ میں ڈوب جانے والوں کو نہیں پسند کرتا (۷۶) پھر جب چاند دیکھا اس نے چمکتا ہوا تو کہا کہ میرا رب یہ ہے۔ لیکن وہ بھی جب غائب ہوا تو کہا کہ اگر میرے رب نے مجھے نہ راہ دکھادی ہوتی تو میں بھی بیشک گمراہوں میں سے ہو جاتا (۷۷) اور پھر جب (وقت گزرا اور) سورج کو (اس کی) چمک دمک کے ساتھ دیکھا تو کہا کہ یہ ہے میرا رب، یہ سب میں بڑا ہے۔ پر جب وہ بھی ڈوبا، تو بولا کہ اے میری قوم والو! میں ان سب سے بری ہوں جن کو تم اللہ کا شریک ٹھیراتے ہو (۷۸) میں نے تو اپنا رخ بالکل یکسوئی کے ساتھ اس ہستی کی طرف کرلیا جس نے زمین و آسمان بنائے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (۷۹) اور اس کی قوم لگی اس سے جھگڑنے، تب اس نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جبکہ وہ مجھے راہِ حق دکھا چکا۔ اور دیکھو میں تمھارے معبودوں سے کوئی خوف نہیں رکھتا الّا یہ کہ میرا رب ہی کوئی بات چاہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو حاوی ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں (۸۰) اور کیسے میں تمھارے فرضی معبودوں سے ڈروں جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ بغیر اس کی نازل کی ہوئی کسی سند کے شریک ٹھیرالیے ہیں۔ تو ذرا غور کرو ہم میں کون فریق بے خوف رہنے کا زیادہ حقدار ہے، اگر سمجھ سکتے ہو (۸۱) وہ کہ جو ایمان

لائے اور کسی قسم کے ظلم سے اپنے ایمان کو آلودہ نہیں کیا، انہی کے لئے امن و بیخوفی ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں۔(۸۲) اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم درجوں پر درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہتے ہیں اور تیرا رب بیشک حکیم ہے علیم ہے(۸۳)

اور اس کو ہم نے اسحٰق و یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو سیدھی راہ دکھائی اور نوح کو اس سے پہلے ہم نے ہدایت دی تھی اور اس کی (ابراہیم کی) اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو، ایوب و یوسف کو اور موسیٰ اور ہارون کو، اور ہم ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں نکوکاروں کو(۸۴) اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو۔ سب کے سب نیک بندوں میں (۸۵) اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس ولوط کو۔ اور ہر ایک کو ان میں ہم نے فضیلت بخشی سب جہان والوں پر (۸۶) اور ان کے آباء و اجداد اور ان کی نسل اور ان کے بھائیوں میں سے بھی کچھ کو۔ اور برگزیدہ ہم نے ان کو کیا اور راہِ راست کی ہدایت دی (۸۷) یہ اللہ کی رہنمائی تھی، اسی سے وہ راہ کھولتا ہے جس کے لئے چاہے۔ اور یہ اگر شرک کرتے تو سارا کیا دھرا ان کا بھی اکارت ہو جاتا تھا(۸۸)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکومت اور نبوت دی، سو یہ (مشرکینِ مکہ) اگر اس (نعمتِ اسلام کی قدردانی) سے انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے ایسے لوگ مأمور کر دئے ہیں جو اس سے انکار کرنے والے نہیں (۸۹) یہ (کہ جو اوپر مذکور ہوئے) وہ ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی، پس تم (اے محمد) انہی کی راہ چلو اور کہو کہ (لوگو) میں تم سے کوئی صلہ اس (دعوت) پر نہیں مانگتا ہوں، یہ تو بس ایک نصیحت دنیا جہاں کیلئے (۹۰)۔

مشرکینِ مکہ کی نصیحت کو ایک نیا عنوان

اوپر بار بار گزرا ہے، کہ دیکھو ہم کیسے عنوان بدل بدل کر اپنی بات ان کے سامنے رکھتے ہیں کہ شاید سمجھیں (اُنظر کیفَ نُصرِّفُ الاٰیٰتِ۔۔۔۔) یہ آج کی آیتیں بھی اسی رحمتِ یزدانی کا ایک نمونہ ہیں۔ ان سے اوپر گزری آیتوں کے بعد، جن میں روزِ محشر یاد دلا دیا گیا تھا، بظاہر کچھ کہنے کو نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن قربان اِس رحمتِ حق کے، کہ ایک نئے عنوان سے پھر وہی دعوتِ ایمان سامنے لائی جا رہی ہے۔ مشرکینِ مکہ دعویدار تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی کے وارث ہیں۔ یہاں ان کو، خطاب کئے بغیر، ایک حکایت کے انداز میں یاد دلایا جا رہا ہے کہ دینِ ابراہیم (علیہ السلام) حقیقت میں کیا تھا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ وقت یاد کر لئے جانے کا

ہے جب ابراہیم نے، اور کسی سے نہیں، خود اپنے والدِ بزرگوار سے انکاریہ لہجے میں کہا تھا، کیا آپ پتھر کی مورتیوں کو معبود بناتے ہیں؟ یہ تو صریح گمراہی ہے جس میں آپ اور آپ کی قوم مبتلا ہے!

کائناتِ ارض وسماء کا مطالعہ اور توحید

حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول نقل کر کے فرمایا ''وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ۔۔۔۔ اور ہم نے اسی طرح اپنی آسمان وزمین کی بادشاہت (ملکوت) کا عالم ابراہیم پر روشن کیا ہوا تھا، جس سے اسے یہ بصیرت اور اس پر کامل یقین حاصل ہوا کہ کائنات کی مالک وحاکم ایک وحدہٗ لاشریک ذات ہے، اسی کی قدرت اور علم و حکمت سے اس پوری ارضی وسماوی کائنات کا نظام چل رہا ہے، اسی کے حکم سے صبح اور شام ہوتی ہے، اسی کے حکم سے ستارے چمکتے اور چاند سورج اپنا جلوہ دکھاتے ہیں، وہی ہر بناؤ بگاڑ اور نفع وضرر کی تنہا مالک ہے اور اس کی عظمت وشان بیان سے بالاتر، پس وہی لائقِ عبادت ہے باقی ہر معبود فرضی۔ گویا یہ جو بیزاری حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کے شرک سے کی، یہ اللہ کی اس توفیق کا نتیجہ تھی جس سے انھوں نے کائناتِ ارضی وسماوی پر غور کرتے ہوئے یہ راز پالیا تھا کہ یہ سب میرے معبود کی بادشاہت ہے۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ توفیق ان کی فطرتِ سلیم کا نتیجہ تھی۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرتا پا مشرکانہ ماحول میں پیدا ہو کر اس ماحول کے دینی افکار ورسوم سے اپنی سلامتِ فکر ہی کی بنا پر غیر مطمئن اور حق کی یافت میں سرگرداں تھے، بالکل یہی صورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سمجھی جاسکتی ہے جن کی قوم اَجرامِ فلکی (چاند سورج اور کواکب) کی پرستش میں گرفتار تھی۔ اور خود آپ کے باپ کی حیثیت ایک مقتدائے قوم کی تھی (۱) اور یہ محض قیاس وگمان کی بات نہیں، اس کی صاف شہادت قرآن ہی نے دے رکھی ہے۔ سورۂ انبیاء میں بھی حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کا قصہ (جو بظاہر اِس مقام والے قصہ سے آگے کا ہے) تفصیل سے بیان کرتے ہوئے، جس سے پہلے کچھ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے، ارشاد ہوا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ (اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کے درجہ کی راست روی عطا کی اور ہم اس سے خوب واقف تھے، کہ کیسی فطرت اس کے حصہ میں آئی ہے) الانبیاء

اس مطالعہ سے آپ کو جو حجت قوم کے خلاف ملی

آگے اس توفیقِ ربانی کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے، جو یہ ہے کہ آپ نے کوشش کی کہ اسی فطری راستہ سے آپ کی گمراہ قوم بھی ہدایت کی منزل پالے۔ ورنہ اس پر حجت تو قائم ہو ہی جائے، فرمایا: فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ

الَّیۡلُ ۔۔۔ ابراہیم نے ایک رات میں آسمان پر نظر جمائی تو ایک ستارہ (جو یقیناً ستاروں میں کوئی زیادہ چمکدار و روشن ستارہ رہا ہوگا) نظر آیا، (شاید وہی زُہرہ نامی ہو جس کی پرستش آپ کی قوم میں کی جاتی تھی اور بہت چمکدار ہوتا ہے) اسے دیکھ کر وہ بولا کہ اچھا یہ میرا رب ہے (یعنی میری قوم کے عقیدہ کے مطابق)۔ لیکن جب وہ ڈوبا (فَلَمَّاۤ اَفَلَ) تو بولا کہ ڈوب جانے والوں کو تو میں (رب بنانے کے لئے) پسند نہیں کرسکتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا، جو ستارہ سے بڑا اور بہت روشنی والا تھا، تو بولا کہ اچھا یہ ہے ''میرا رب''۔ لیکن وہ بھی جب اپنے وقت پر ڈوب گیا، تب کہا کہ اگر میرے پروردگار نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں بھی ضرور گمراہوں میں سے ہو جاتا۔ اس کے بعد دن نکلا اور نیّرِ تاباں (سورج) کی باری آئی اور اس سے رات کا اندھیرا اُجالے میں تبدیل ہوا، تو ارشاد ہوا کہ اچھا، یہ ہوگا میرا رب، کہ یہ سب میں بڑا ہے۔ مگر جب شام ہوئی اور وہ بھی پردۂ غیب کو سدھارا تو پھر صاف آواز لگادی کہ اے میری قوم سن لے، کہ جن کو تم مالک الملک کا شریک ٹھیراتے ہو میں ان سے بری ہوں! میں نے اپنا رُخ ہر طرف سے موڑ کر اس ہستی کی طرف کرلیا ہے جس نے زمین و آسمان کو وجود بخشا ہے، اور میں شریک ٹھیرانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

یہ آخری اعلان (برائت) ایک بات یہ بتا رہا ہے کہ عالمِ ملکوت کے مشاہدہ کی یہ ابراہیمی نشستیں کہیں تنہائی کی نہیں، افرادِ قوم کے بیچ کی تھیں۔ اور اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے آپ دراصل انھیں سنا رہے ہوتے تھے کہ وہ سمجھ پکڑ سکتے ہوں تو سمجھ لیں۔ لہٰذا جب بات اختتام کو پہنچ گئی تو پھر صاف ہی انہیں مخاطب کرلیا، کہ ''اس کے بعد بھی اگر تم اپنے دینِ شرک پر قائم رہتے ہو تو میرا کوئی رشتہ ناتہ اس سے نہیں۔ میں اس کا پرستار ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کئے۔'' علیٰ ہٰذا یہ بات بھی مخفی نہ ہونی چاہئے کہ یہ کسی ایک رات کی بات نہیں ہے، ستارہ سے متعلق بات الگ رات کی اور چاند سے متعلق الگ رات کی۔ ورنہ رات آنے پر ستاروں سے پہلے تو چاند سامنے آتا ہے، پس چاند کی بات پہلے آنی چاہئے تھی۔ اور پھر سورج تو رات میں نہیں دن میں نکلتا ہے۔ قرآن اپنی پوری بات کا فہم بہت کچھ عقلِ عام پر چھوڑ دیتا ہے، جس کی بیسیوں مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے، ستارہ کے بعد جب چاند کی بات آتی ہے تو لازمًا اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ جدارات کی بات ہے۔ ورنہ پہلے چاند والی بات آتی جو پہلے سامنے آتا ہے اور بعد میں ستارہ کا نمبر آتا۔ اسی طرح سورج کا قصہ لازمًا چاہتا ہے کہ یہ دن کی بات ہو۔

تدریج کی حکمتِ عملی

اور اس قرآنی ترتیب میں (کہ اول ستارہ، پھر چاند، پھر سورج) کھلی حکمت ہے کہ بات کم حیثیت

والے وجود کی نفی سے شروع کر کے بتدریج آگے کو بڑھا جائے، کہ ستارہ ہی نہیں چاند بھی، اور وہ جو سب سے بڑا، یعنی آفتاب ونیّرِ تاباں ہے، وہ بھی لازمًا ایک وقت پر اپنی آب وتاب کھو کر سرے سے غائب ہی ہو جاتا ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک، ہر دن یا رات اپنی جلوہ گری کے ساتھ اُبھرتا اور پھر روبہ زوال ہوتا ہوا اسی انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ اور تم رات دن یہ دیکھتے ہو پھر بھی انھیں کارساز اور قاضی الحاجات ٹھیرائے ہوئے ہو! کیا دن رات کا یہ منظر اس بات کی گواہی نہیں، کہ کوئی بالاتر قوت ہے جس کے حکم سے یہ دن اور رات کا نظام اور چاند سورج کا طلوع وغروب بالکل ایک لگے بندھے انداز پر چل رہا ہے اور یہ کواکب وسیارے سب اسی نظام کے پرزے ہیں؟ یہ خودمختار قوتیں نہیں، مجبور اور غلام اسامیاں ہیں۔

اس حکیمانہ خطاب کا ایک خاص نکتہ

اس حکیمانہ انداز سے آگے بڑھتے ہوئے آپ نے بات کو اپنے اس فیصلہ کن اعلان تک پہنچایا کہ (یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ﴿۷۸﴾) اے میری قوم میں تمھارے مشرکانہ دین سے صاف برائت کا اعلان کرتا ہوں، میں نے اپنی عقیدت کا رُخ ہر سو سے یکسو ہو کر اس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے زمین وآسمان پیدا کئے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔'' بڑے نکتے کی بات اس حکیمانہ خطاب پر صاحبِ تفسیرِ ماجدیؒ نے رقم فرمائی ہے کہ گفتگو اگرچہ معبودیت کے مسئلہ پر ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ چاند سورج اور ستاروں کی ''معبودیت'' کے بجائے ان کی ''ربوبیت'' سے بحث کا عنوان اختیار فرما رہے ہیں۔ سونکتہ اس میں یہ ہے کہ مشرک قومیں جو الٰہِ برحق کو چھوڑ کر کچھ مخلوقات کو الٰہ اور معبود کے درجہ پر بٹھا دیتی ہیں وہ دراصل اس لئے کہ ربوبیت اور کارسازی وحاجت برآری میں وہ ان کا کچھ درجہ مان بیٹھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ہمارے دنیاوی مسائل انہیں کی رضا سے حل ہو سکتے ہیں۔ پس ان کے شرک کی جڑ ''شرک فی الربوبیت'' ہے، ضرورت اسی کو کاٹنے کی اور بتانے کی تھی، کہ ربوبیت، کارسازی وپروردگاری تمامتر اسی اللہ (وحدہٗ لاشریک لہٗ) کی ہے جس نے بلاشرکتِ غیرے آسمان وزمین کو وجود بخشا ہے، اور اس بات سے مشرکین کو بھی کبھی انکار نہیں رہا۔ پس ربوبیت کی بنا پر معبودیت کا حق بھی صرف اور صرف اسی کا ہے۔ اسی لئے فرمایا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا۔۔۔۔۔۔

قوم کا ردِّعمل اور ابراہیم موحّد کا جواب

اس اعلانِ برائت کے بعد کیا ہوا؟ قرآن بتاتا ہے۔ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ ۔۔۔ اور اس کی قوم لگی اس سے بحث وتکرار کرنے، اور بحث وتکرار سے زیادہ اس کو ڈرانے اور خوف دلانے (کہ تمھاری اب خیر نہیں

ہے، تم نے معبودوں کی توہین کی ہے، بھگتنے کو تیار رہو۔) آپ نے جواب میں فرمایا: اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَـيْـــًٔـا ۔۔۔۔غضب خدا کا، تم مجھ سے اللہ کے بارے میں، اس کی لاشریک معبودیت کے بارے میں، جھگڑتے ہو! بھلا تمھارا یہ جھگڑنا مجھ پہ کیا اثر کرسکتا ہے، جبکہ اس نے اپنی توحید کی حقانیت مجھ پر کھول دی، واشگاف کردی ہے۔ اور یہ چاند ستارے جنھیں تم اس کا شریک ٹھیرائے ہوئے ہو اور سمجھ رہے ہو کہ اس کی بارگاہ میں ان کا کچھ درجہ ومرتبہ ہے تو سن لو کہ میں ان کو بالکل خاطر میں نہیں لاتا، مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ وہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، ہاں میرے اللہ ہی کی مشیت میں میرے لئے کچھ آزمائش ہو تو بے شک مجھے کچھ ہوسکتا ہے، کہ وہی ہے جو ہمارے نفع وضرر پر اختیار رکھتا ہے۔ اور کوئی شئ اس کے دائرۂ علم سے باہر بھی نہیں (وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ) پھر فرمایا "اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰"۔ کیا تم اب بھی سمجھنے کو تیار نہیں ہو؟

پھر مزید جھنجھوڑنے کے لئے فرمایا: وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ ۔۔اور کیسی اُلٹی بات کرتے ہو کہ میں ان سے ڈروں جن کو تم نے زبردستی شریک ٹھیرایا ہوا ہے، جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کی طرف سے اُتاری گئی کسی سند کے بغیر تم نے اس کے شریک ٹھیرا رکھے ہیں! سو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو سوچو کہ ہم دونوں فریقوں میں امن واطمینان کا زیادہ حقدار کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اعتراض، کہ اللہ کی طرف سے اتاری گئی سند کے بغیر تم نے اس کے شریک ٹھیرا لئے ہیں، واضح دلیل ہے کہ قوم، جیسا کہ اوپر اشارۃً گزرا، اللہ کی منکر نہ تھی، البتہ شرک کی گمراہی میں گرفتار تھی، اسی بنیاد پر یہ اعتراض بجا تھا۔ آگے اس تقریر کا آخری جملہ آتا ہے۔ گویا نچوڑ ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ ۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو انھوں نے ظلمِ شرک سے ملوّث نہیں کیا اُنہی کے لئے ہے امن اور وہی ہیں ہدایت یاب۔ حاصل یہ ہے کہ تم اگر کہو کہ اللہ کو ہم بھی مانتے ہیں، تمھارا ہی اس پر اجارہ نہیں، تو ماننا جبھی معتبر ہے جب عملاً یا عقیدۃً شرک نہ ہو۔ لیکن اگر یہ ہے تو ایسے لوگ نہ ہدایت پر ہیں نہ (اللہ کی پکڑ سے) امن ان کا حق ہے۔ ہدایت یاب اور مامون صرف وہ ہیں جو اپنے ایمان کو ظلم (یعنی شرک) سے آلودہ نہیں کرتے، شرک کے لئے آتا ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔ (بلاشبہ شرک بڑا ظلم ہے)

حضرت ابراہیم پر انعاماتِ خداوندی

قوم کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے اس مناظرہ کے بارہ میں آگے ارشاد ہو رہا ہے: وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ ۔۔۔ (اور یہ جو کچھ تم نے ابراہیم سے سنا یہ ہماری دی ہوئی دلیل وحجت تھی جو

ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی گئی۔ یہ رہنمائی ہم ہی سے اس کو ملی تھی، اور ہم جس کے چاہتے ہیں درجوں پر درجے بڑھایا کرتے ہیں۔) یعنی یوں ہی نوازا کرتے ہیں (لفظ دَرَجٰتٍ کی تنوین کے اثر سے اس کا یہی مفہوم ''درجوں پر درجے'' عربی گرامر کی رو سے ہوتا ہے) الغرض ابراہیم کے حصہ میں بھی یہ رفعت ہماری مشیت سے آئی، آپ سے آپ نہیں۔ اور پھر فرمایا: بیشک تیرا رب بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ یعنی یہ داد و دہش کوئی اَللّٹپ قسم کی بخشش نہیں، بلکہ جو بندے اس سے مستفیض ہوتے ہیں وہ اللہ کے عظیم علم اور اس کی حکمت کا انتخاب ہوتے ہیں۔ پس ابراہیمؑ کو یہ نعمت اسی طور پر ملی۔

آگے مزید انعامات (اور درجات پر درجات) کا بیان ہو رہا ہے کہ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۔۔۔ اور ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب (جیسے بیٹے پوتے) بخشے اور اس سے پہلے (ان کے جدِ امجد) نوح کو ہدایت دی تھی اور (پھر) اس کی نسل سے داؤد، سلیمان، ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو، اور ہم اسی طرح جزا نیکوکاروں کو دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو (كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ﴿۸۵﴾) سب کے سب صالحین میں سے۔ اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس ولوط کو (وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۸۶﴾) اور ان میں سے ہر ایک کو فضیلت ہم نے اہلِ جہاں پر دی، یعنی نبوت سے سرفراز کیا۔ اور ان کے باپ دادوں میں سے نیز اولاد میں سے اور بھائی بندوں میں سے بھی کچھ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ہم نے کی اور برگزیدگی بخشی۔ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ ۔۔۔ اور یہ ہدایت جس سے یہ سرفراز ہوئے اللہ کی ہدایت تھی کہ اس کے ذریعہ سے وہ جس کو چاہتا ہے راہ یاب کرتا ہے۔

ایک جملۂ معترضہ

یہ سب اہلِ مکہ کے لئے بیان ہو رہا تھا جو ابراہیم و اسمٰعیلؑ سے رشتہ جوڑنے کے باوجود اپنے شرک پر مصر تھے۔ پس اس ضمن میں اگر یہ بتا دیا جائے کہ یہ مقبولانِ حق بھی اگر کہیں غلطی سے شرک کے گنہگار ہو جاتے تو ان کا بھی کہیں ٹھکانہ نہ تھا تو اس سے شرک کی برائی کا وہ درجہ سامنے آجاتا تھا جس کے بعد کچھ کہنے کو نہیں رہ جاتا۔ پس سلسلہ بیان ذرا سا روک کر فرمایا گیا ہے: وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾) اور یہ لوگ بھی اگر شرک کرنے لگتے تو سارے ان کے اعمال اکارت ہو جاتے۔ یہ بالکل ایک

(بقیہ صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔۔۔)

پروفیسر توقیر عالم فلاحی

قرآن کریم کا تصور فلاح ونجات

قسط ۲

[اس مضمون کی پہلی قسط اگست کے شمارے میں شائع ہوئی تھی، دوسری قسط ستمبر کے شمارے میں آنی تھی، مگر غلطی سے نہیں آئی، اس غلطی کے لئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔]

آخرت کی کامیابی بندۂ مومن کی معراج:

بلاشک وریب یہ زندگی وقتی ہے اور ہر چیز زوال پذیر ہے۔ انسان اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کے بارے میں اللہ کے حضور جوابدہی کا مکلف ہے۔ آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اس لیے کہ وہاں جو آرام وآسائش ملے گی وہ اس زندگی کی محنت ومشقت کے بدلے بطور اجر ملے گی، اسی لیے اللہ رب العزت کا ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (العنکبوت)

[اور اصل زندگی کا گھر تو آخرت ہے، کاش یہ لوگ جانتے۔]

موت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ جو شخص دنیا میں آیا ہے اسے مرنا ہے، چاہے پانچ دس سال کی زندگی اسے میسر ہو، چاہے ستر اسّی سال یا سو سال کی، غریب ہو یا امیر، حاکم ہو یا محکوم، بوریہ نشین اور فقیر ہو یا صاحب ثروت واقتدار، مومن ومتقی ہو یا کافر وفاجر، ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے (آل عمران ۱۸۵) اور یہ ایک سیکنڈ بھی موخر نہیں ہوسکتی (المنافقون:۱۱) چاہے پوری دنیا کی دولت اور ساری دنیا کے بڑے بڑے سورما سکنڈ ومنٹ کے موخر کرنے پر ایکا کرلیں موت اپنے وقت پر آجائے گی، مہلت عمل ختم ہوجائے گی اور آنکھ بند ہوتے ہی نتیجۂ امتحان کے مراحل بتدریج نظر آنے لگیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں مسارعت ومسابقت کی تعلیم مغفرت الٰہی کا پروانہ حاصل کرنے اور جنت کی نعمتوں سے نہال ومالا مال ہونے کے لیے دی گئی ہے۔ فرمایا جاتا ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ (آل عمران)

[دوڑ پڑو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت

زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے۔]

ایک جگہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بے بضاعتی وکم مائیگی بتاتے ہوئے اللہ رب العزت آخرت کی شادکامیوں کو ہی سعی وکاوش کا محور بنانے کی تعلیم دیتا ہے، بلکہ اس سلسلے میں جذبہ مسابقت سے سرشار ہوکر وسیع وعریض جنت کے حصول کی تلقین کرتا ہے:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (الحدید:۲۱)

[ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین جیسی ہے، جو تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہوں۔]

قرآن وسنت میں موت کے بعد کی زندگی کو کل کی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی جو زیادہ سے زیادہ بالعموم ستر یا اسی سال پر مشتمل ہے، اس کو مطمح نظر بنا کر دنیا میں رہنا اور سامان دنیا سے تعلق استوار کرنا، یقیناً ناسمجھی اور پھوہڑپن کی دلیل ہے۔ اس کے بالمقابل لامحدود زمانوں پر مشتمل وہ زندگی جو موت کے بعد آنے والی ہے، اس کے خوشگوار ہونے کے لیے آج کی زندگی میں اضطراب وبے چینی اور تشویش وفکرمندی ہو، یہ یقیناً مسعود ومبارک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ میں ایمان والوں کو کل کی زندگی کے لیے فکرمند ہونے کی جگہ جگہ تعلیم دی جاتی ہے۔

حدیث نبوی شریعت اسلامیہ کا دوسرا ماخذ ہے اور اسے بلاشبہ قرآن مجید کی تفسیر وتوضیح کا مقام حاصل ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو ذکی وفطین سے ملقب کیا ہے جو جائز وناجائز، حلال وحرام اور مستحسن وقبیح کے حدود وقیود کا خیال رکھے، اپنی خواہشات کو لگام دے اور ہر عمل موت کے بعد کی زندگی کے لیے کرے۔ فرمان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سنیے:

اَلْكَيِّسُ مِنَّا مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ (احمد بن حنبل: مسند احمد، ج ۴، ص ۱۶۴)

[ہم میں اصل عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے۔]

قرآن مجید میں فلاح کا تصور محض اس معنی میں نہیں ہے کہ کسی کے پاس مال کی کثرت ہو، نفری قوت میں اس کا کوئی مدمقابل نہ ہو، انواع واقسام کے نفیس کھانے اس کے دسترخوان کی زینت بنتے ہوں، فلک بوس اور دیدہ

زیب عمارتوں کا وہ مکین ہو، یہ تصورِ فلاح مادہ پرستوں اور دنیاداروں کا تو ہوسکتا ہے لیکن اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کے لیے فلاح کا یہ تصور قرآن مجید قطعاً نہیں پیش کرتا۔ داعی اعظم ﷺ جب ایمان کی دعوت دے رہے تھے اور اس کے نتیجے میں فلاح وکامرانی کی ضمانت دے رہے تھے تو مشرکین مکہ اپنے آپ کو فلاح یاب اور نجات دہندہ سمجھ رہے تھے اور ادعایانہ انداز میں داعی حق ﷺ کو جواب دیتے تھے کہ مال واولاد کے لحاظ سے وہ بڑھے ہوئے ہیں، ان کی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ کے عذاب سے ان کو سابقہ نہیں پڑنا ہے۔ (سبا:۳۵) یہ تصور فلاح انتہائی محدود ہے۔ قرآن جس تصور فلاح کا نقیب ہے اس کا تعلق اصلاً موت کے بعد کی زندگی سے ہے۔ اس ضمن میں ایک مفسر قرآن کی وضاحت فکرانگیز اور روح پرور ہے:

> ''فلاح کا لفظ قرآن میں دنیوی فلاح کے محدود معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ اس سے مراد وہ پائیدار کامیابی ہے جو کسی خسران پر منتج ہونے والی نہ ہو، قطع نظر اس سے کہ دنیوی زندگی کے اس ابتدائی مرحلے میں اس کے اندر مزے سے جئے، خوب پھلے پھولے اور اس کی گمراہی کو بڑا فروغ نصیب ہو، مگر یہ قرآن کی اصطلاح میں فلاح نہیں عین خسران ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک داعیٔ حق دنیا میں سخت مصیبتوں سے دوچار ہو، شدت آلام سے نڈھال ہوکر یا ظالموں کی دست درازیوں کا شکار ہوکر دنیا سے جلدی رخصت ہوجائے اور کوئی اسے مان کر نہ دے، مگر قرآن کی زبان میں یہ خسران نہیں عین فلاح ہے'' (سبا:۳۵)

اس تغیر پذیر اور زوال آشنا زندگی کے بعد جو زندگی ہوگی، اس کو زوال نہیں ہوگا۔ وہاں کی نعمتیں ابدی ہوں گی، گویا وہاں کی کامیابی ہی حقیقی کامیابی ہوگی۔ اللہ کی رضا کا پروانہ ایک بندے کو مل جائے اور جنت اس کا مسکن قرار پاجائے، یہی دراصل کامیابی ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات بینات اس صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔ چند آیات کریمہ ذیل میں بطور مثال پیش کی جاتی ہیں۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا جاتا ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (المائدہ:۱۱۹)

[اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی نفع دیتی ہے۔ ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔]

اللہ کی مرضی کے مطابق اس دارالعمل میں زندگی گزارنے والوں کو اللہ رب العزت کی خوشنودی کا

پروانہ مل جاتا ہے۔ ایسے باغات ان کی تفریح گاہیں ہوں گی جن کے نیچے سے نہریں رواں ہوں گی اور عدن کے باغات ان کے مستقل ٹھکانے ہوں گے۔ اللہ رب العزت کی جانب سے یہ وعدہ بشارت اہل ایمان کے لیے مسرت وشادمانی کا پیغام بن جاتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ (التوبہ:۷۲)

[ان مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انھیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سدابہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی ان کو حاصل ہوگی۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔]

اللہ کے غیظ وغضب سے بچا جائے اور جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے نجات حاصل کرلی جائے نیز سیّات وخطیئات سے رحمن ورحیم کی جانب سے چشم پوشی کا معاملہ کیا جائے اور ہمیشہ ہمیش کی ابدی قیام گاہیں بندۂ مومن کا نوشتۂ تقدیر بن جائیں، حقیقی معنوں میں یہی فلاح وکامرانی ہے جس کے لیے بندۂ مومن کو اس عارضی زندگی میں فکرمند اور کوشاں رہنا چاہیے۔ اللہ رحمان ورحیم کی جانب سے اس حقیقی کامیابی کی نوید مسرت دی جاتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنجِيْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ۔۔۔۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ (الصّف:۱۰۔۱۲)

[اے ایمان والو! میں تم کو وہ تجارت بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے بچادے۔۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔]

فلاح دنیا فضل الٰہی:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آخرت کی لازوال اور لامحدود نعمتیں ہی دراصل بندۂ مومن کا مرکز توجہ بننی

چاہئیں اور انہی کے حصول میں مصروفیات ومشغولیات کا رخ متعین ہونا چاہیے، تاہم یہاں عزلت نشینی یا ترک دنیا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔(الحدید:۲۷) یہاں دنیا حاصل کرنے اور اس کے اسباب ووسائل کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کی اگر چہ تعلیم وتلقین نہیں ہے لیکن دنیا کو شجر ممنوعہ اور علائق دنیا کو شیئ مذموم قرار دینا اور نجات کی راہ میں مطلق طور پر مانع ومزاحم قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ دنیا اور متاع دنیا کے سلسلے میں منفی خیال اگر غالب ہو اور کامیابی کی راہ میں انھیں حائل سمجھا جارہا ہو تو اس غلط فہمی کا ازالہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان پیش نظر ہو:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ (القصص:۷۷)

[اور جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔]

مال ودولت کا حصول اگر جائز طریقے سے ہو اور اگر یہ جائز طریقے سے استعمال بھی ہو رہے ہوں اور دوسروں کے حقوق پامال نہ ہو رہے ہوں تو یہ دنیا حسنہ بن جاتی ہے جس کے لیے بندۂ مومن بالعموم شب وروز کے دیگر اوقات میں اور بالخصوص نمازوں کے اوقات میں اپنے رب کریم کے حضور دست بدعا ہوتا ہے:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (البقرہ:۲۰۱)

[اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔]

اگر دنیا ذکر الٰہی میں مانع نہیں ہو رہی ہو، دوسروں کے حقوق پامال نہیں ہو رہے ہوں اور حدود وقیود کا تقدس برقرار رکھا جارہا ہو، گویا شریعت کے احکام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دنیا حاصل کی جارہی ہو اور اس کے استعمال میں بھی اللہ کی مرضی کو مستحضر رکھا جارہا ہو تو پھر یہ محض دنیا نہیں رہتی بلکہ اس فانی زندگی میں بندۂ مومن کے لیے یہ دنیا نوازش خداوندی بن جاتی ہے، جو خدا کے انعام یافتہ بندوں کا حصہ ہے اور یہی انعام واکرام موت کے بعد کی اصل منزل تک پہنچنے کے لیے توشۂ راہ بھی بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ بندۂ مومن ایک طرف اپنی ذات پر جائز طریقے سے خرچ کرتا ہے، بیوی بچوں کی کفالت کرتا ہے، اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے کے لیے اسے اسباب ووسائل کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ ان کا بجا استعمال کرتا ہے، اعزہ واقرباء کے حقوق ادا کرتا ہے، بے سہاروں، ناداروں اور معاشرے کے خستہ حال افراد پر ایک متعین حصہ

خرچ کرتا ہے، یہ سب اعمال حسنہ دراصل آخرت کی منزل تک بخیر وخوبی پہنچانے اور آقائے حقیقی کی بارگاہ میں سرخرو اور فائز المرام کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مومن کی دنیا پھر وہ دنیا نہیں ہوتی جو ایک نافرمان خدا اور بدعمل کی ہوتی ہے، جس کے لیے یہ دنیا فی الواقع 'فتنہ' اور مصیبت بن جاتی ہے۔

یقیناً ہر انسان کی منزل موت کے بعد کی زندگی یعنی آخرت ہے اور مومن کے لیے بدرجہ اتم آخرت کی زندگی ہی منزل حقیقی ہے اور وہ آقائے نامدار محمد عربی ﷺ کے فرمان کے مطابق اس دنیا میں مسافر کی سی زندگی گزارنے کا مکلف ہے۔ ایک مسافر بلاشبہ اس بات کا خواہش مند ہوتا ہے کہ اس کا راستہ بھی صحیح سے گزر جائے۔ چنانچہ وہ بیٹھنے اور لیٹنے کی جگہ بھی محفوظ کراتا ہے، صحیح رفیق سفر بھی تلاش کرتا ہے، کھانے پینے اور آرام وراحت کی دوسری چیزیں بھی زاد راہ کے طور پر لے لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کچھ اور سہولتیں یا آسائشیں اگر منزل کے راستے میں میسر ہوتی ہیں تو انھیں بھی استعمال کرتا ہے، لیکن صرف اور صرف اس لیے کہ یہ سب اسباب اس راہی کو منزل مقصود تک پہنچانے میں معین ومددگار بن جائیں۔ اسی طرح اگر بندۂ مومن کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس چند روزہ جائے قیام میں بھی اس کی زندگی صحیح گزر جائے، یہاں وہ اسباب بھی فراہم ہوں جن کے ذریعہ آخرت کی زندگی کو وہ بامعنی بنا سکے اور صحیح معنوں میں یہ زاد راہ کا کام کر سکیں تو یہ خواہش مبارک ہے اور اس سلسلے میں سعی وکاوش بھی مسعود ومحمود ہے۔

بندۂ مومن جس کا شیوۂ زندگی استحضار آخرت بن جاتا ہے اور اسی زندگی کے لیے اپنے کو وقف کر دیتا ہے اللہ کی رحمت اس پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ یا تو مصائب ومشکلات کے ذریعہ اس کو آزمایا جاتا ہے اور اس پر صبر واستقلال کی صورت میں اُسے خدا کی معیت نصیب ہوتی ہے، اس کے درجات بلند ہو جاتے ہیں اور سعید روحوں میں اس کا شمار ہونے لگتا ہے۔ یا پھر یہ کہ اللہ والوں کو نصرت خداوندی کا پروانہ اِس زندگی کے لیے بھی مل جاتا ہے، ان کی دنیا بھی سنور جاتی ہے اور عزت وسرخروئی ان کا نصیبہ بن جاتی ہے یہاں تک کہ دنیا کی زمام اقتدار بھی ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ اسوۂ نبی ﷺ ہمارے سامنے ہے اور صحابہ کرام جو رات کے راہب اور دن کے شہہ سوار تھے، کی زندگیاں کھلی ہوئی کتاب ہیں۔ غزوہ بدر میں تمام ہتھیاروں سے لیس ایک ہزار زعمائے کفر وشرک کے مقابلے میں تین سو تیرہ کی اقبال مندی وتمکنت، فتح مکہ جیسی دنیا کی بے مثل فتح وکامرانی، کفر واسلام کی جنگوں میں اہل اسلام کا غلبہ وتسلط اور وقت کی سوپر پاور طاقتوں کی ذلت آمیز شکست وہزیمت، یہ سب تابناک مثالیں ہیں اس صداقت کی کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اس کی منزل بھی آسان ہو جاتی ہے اور اس کا راستہ بھی موافق اور خوشگوار ہو جاتا ہے۔ اہل ایمان کے

لیے اس دنیا کی زندگی کو بھی ساز گار و خوش گوار بنانے کا وعدۂ الٰہی قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں موجود ہے۔ ایک جگہ فرمایا جاتا ہے:

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۔ (غافر:۵۱)

[بلاشبہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔]

ایک اور جگہ عزت و سرخروئی اور فوز و فلاح کو ایمان والوں سے منسوب کرتے ہوئے اعلان ہوتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸﴾ (المنافقون)

[حالاں کہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے، مگر یہ منافقین جانتے نہیں۔]

انسان چوں کہ اس زمین پر خلیفۃ اللہ کے منصب پر مامور ہے اور جو انسان واقعی اللہ و رسول کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے، وہی شخص اس زمین پر اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کو سمجھتا ہے اور اس کی سب سے بڑی اور مبارک ترین خواہش یہ ہوجاتی ہے کہ خدا کی زمین پر خدا کا قانون چلے تاکہ اس کی زمین شر و فساد کی آماجگاہ بننے کے بجائے امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ یہ مبارک خواہش اس وقت تک جامہ عمل نہیں پہن سکتی جب تک کہ اللہ رب العزت کی توفیق اور اس کا کرم شامل حال نہ ہو۔ ایک جگہ جہاں ایمان والوں کو آخرت کی زندگی میں مغفرت الٰہی اور عدن کے باغات میں بہترین قیام گاہوں کی یقین دہانی کرائی جاتی ہے، وہاں بندۂ مومن کو دیگر مطلوب و محبوب چیزوں کی بشارت بھی دی جاتی ہے اور اس کے لیے نصرت الٰہی کو سب سے بڑا اور موثر عامل قرار دیا جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ... وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۔ (الصّف:۱۰۔۱۳)

[اے لوگو! جو ایمان لائے ہو..... اور دوسری وہ تمام چیزیں تمہیں عنایت کرے گا جنھیں تم محبوب رکھتے ہو، یعنی اللہ کی جانب سے مدد اور قریبی فتح۔]

اس دنیا میں اللہ رب العزت کا دین بلند و بالا ہو، تمام ادیان باطلہ پر اسے غلبہ و تفوق حاصل ہوجائے، خدا کے احکام اس زمین پر نافذ ہوں اور خدا کی یہ زمین بھی جنت نشان بن جائے، خلیفۃ اللہ کے منصب پر مامور ایمان و ایقان کی نعمت غیر مترقبہ سے سرشار سرفروشان توحید کے ان مبارک عزائم کی قدر افزائی ہوتی ہے اور یہ ارشاد ہوتا ہے:

وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً۔ (النور:۵۵)

[اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح خلافت ارضی دے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو دے چکا ہے۔ ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔]

مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں یہ حقیقت تشنہ توضیح نہیں رہتی کہ موت کے بعد کی زندگی میں جو خوشحالی وفارغ البالی ہوگی، وہ ابدی ہوگی۔ اس لیے عقل ودانش کا تقاضا یہی ہے کہ اسی زندگی کو مرکز ومحور بنا کر سعی وعمل کرنا چاہیے۔ ہاں دنیوی خوشحالی وفارغ البالی فلاح وکامرانی کے قرآنی تصور کی بہر حال نقیض نہیں ہے بلکہ اگر یہ دنیا، مال ودولت، اولاد واحفاد اور عزت واقتدار کی شکل میں بندۂ مومن کو مل رہی ہو تو یہ فضل الٰہی اور انعام خداوندی ہے جس سے ماضی میں نیک اور مخلص بندگان خدا نوازے جاتے رہیں۔

اگر آخرت کی ابدی اور حتمی فلاح کے لیے سرگرمیٔ عمل جاری ہو، قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں ایک شخص حیات اخروی میں سعادت وکامرانی کا استحقاق ثابت کرلے تو رضوان الٰہی کی نعمت غیر مترقبہ اسے ملتی ہے، عدن کے باغات میں ایسے لوگوں کو ابدی قیام گاہیں ملتی ہیں اور وہ دیگر تمام نعمتوں سے متمتع ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسے سعادت مندوں کو یہ دنیا بھی 'حسنۃ' کی شکل میں ملتی ہے۔ فلاح وکامرانی کا جامع تصور یہی ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں فلاح کا یہ ہمہ گیر تصور اسی وقت بارآور ہوسکتا ہے جب اس کے ناگزیر عوامل ومحرکات کو بخوبی عملی زندگی میں جگہ دی جائے۔

(فلاح وکامرانی کے حقیقی اسباب کا بیان اگلی قسط میں ملاحظہ فرمائیں۔۔۔)

حضرت مولانا **ذوالفقار احمد** نقشبندی مجددی
ترتیب وپیشکش: خلیل الرحمٰن

مثالی بھائی

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین الصطفی، اما بعد
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ ﴿۲۹﴾ ھٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ اٰل سیدنا محمد و بارِک وسلِّم
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ اٰل سیدنا محمد و بارِک وسلِّم
اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ اٰل سیدنا محمد و بارِک وسلِّم

ایک ماں باپ کی اولاد کا باہمی رشتہ

اللہ رب العزت نے ایمان والوں کے لئے مختلف رشتے بنائے ہیں ایک رشتہ تو خون کی وجہ سے ہوتا ہے، ایک ماں باپ کی اولاد، شریعت نے ان کو بھائی بہن کا درجہ دیا ہے، لہٰذا ایک ماں باپ کی جتنی اولادیں ہوتی ہیں وہ آپس میں بھائی بہن ہوتے ہیں۔ اور ایک ہے ایمان کا رشتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ** ایمان والے سارے کے سارے بھائی ہیں، نبیؐ نے بھی ارشاد فرمایا کہ **کونوا عباد اللہ اخوانا** اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کے رہو۔

آج کا عنوان

آج کے اس دور میں چونکہ ان تعلیمات پر زور دینے والے کم ہیں، لہٰذا نوجوان بچے اپنے من پسند دوست بنا لیتے ہیں، دوست قریب ہوتے ہیں اور ماں باپ بھائی بہن دور ہوتے ہیں۔ اس لئے اس

بات کی ضرورت ہے کہ ہمیں ان باتوں کی اہمیت بتائی جائے، اگر ایک باپ کے دو بیٹے ہیں اور وہ آپس میں محبت و پیار سے رہیں گے تو دو فائدے ہیں ایک تو اس سے اللہ خوش ہونگے دوسرا اس محبت و پیار اور آپس کے تعلق کی وجہ سے ماں باپ کو بھی خوشی ہوگی، عجیب بات ہے کہ شیطان بھائیوں کے درمیان ہی غلط فہمیاں ڈالتا ہے اور ان کے رشتے ناطے توڑتا ہے۔ چنانچہ ایسا بھی ہم نے دیکھا کہ بھائی بھائی سے بات ہی نہیں کرتا، ایک بھائی اگر دوسرے کو کوئی رائے یا مشورہ دیدے تو وہ اتنا غصہ ہوتا ہے کہ جیسے اس نے کوئی بڑی غلطی کردی، بہن بھائی کا آپس میں بولنے کا تعلق ختم ہوجاتا ہے، بچپن کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو یاد کرکے وہ شادی کے بعد بھی ایک دوسرے سے تعلق ٹھیک نہیں رکھتے، یہ کتنی بے وقوفی کی بات ہے!!!

بھائی بھائی میں محبت کا ایک نمونہ

میرے دادا مرحوم دو بھائی تھے، ایک بڑے تھے ایک چھوٹے تھے، دونوں کی آپسی دوستی مشہور تھی، لوگ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ دوست پہلے ہیں بھائی بعد میں ہیں، ہر جگہ پر وہ اکھٹا رہتے ساتھ ہی کھانا کھاتے کہیں جانا ہوتا تو ساتھ ہی جاتے، ہر جگہ وہ ایک دوسرے کے سائے کی مانند ہوتے، ان کی دوستی لوگوں کے لئے مثال تھی، آپس میں بے انتہا محبت تھی اگر ایک کوئی بات کہہ دیتا تھا تو دوسرا اس پر فوراً آمادہ ہوجاتا تھا، آپس میں ان کی کبھی تلخی نہیں ہوئی، ہمیشہ محبت سے رہتے تھے، ایک دوسرے کے راز و نیاز کے ساتھی تھے، ہمنوالہ، ہم پیالہ تھے۔ چھوٹے بھائی حافظ قرآن تھے، ان کو قرآن سنانے کے لئے کسی کی ضرورت پڑتی تو وہ اپنے بھائی ہی کو قرآن سناتے تھے۔ اتنی کثرت سے وہ قرآن پڑھتے تھے اور بڑے بھائی اتنی کثرت سے قرآن سنتے تھے کہ بڑے بھائی نے قرآن سن سن کے اس کو یاد کرلیا تھا۔ تو آخری عمر میں دونوں بھائی حافظ ہوگئے تھے، ان میں سے جو بڑے بھائی تھے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میری ایک تمنا ہے اللہ اس کو پورا کردے، لوگ پوچھتے کہ کیا تمنا ہے؟ وہ کہتے تھے کہ میں بڑا ہوں مجھے پہلے موت آنی ہے جب میری موت آئے تو میرا جنازہ میرا چھوٹا بھائی پڑھائے یہ میری تمنا ہے۔ چھوٹے بھائی ٹالتے کہ موت کا کس کو پتہ، لیکن پھر بھی بڑے بھائی اس کو کہتے کہ دیکھو میرا جنازہ آپ کو پڑھانا ہے۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ مقدر ایسا کہ چھوٹے بھائی کی وفات پہلے ہوئی اور چھوٹے بھائی کا جنازہ بڑے بھائی نے پڑھایا۔ لیکن لوگ ان کا نام لیکر ان کی مثالیں ایک دوسرے کو سنایا کرتے تھے۔ ہم نے بھی اپنے والدین کی زبانی یہ واقعات سنے تو ہمیں محسوس ہوا کہ واقعی دو بھائیوں کے درمیان اگر محبت ہو تو اس سے صرف اللہ تعالیٰ ہی راضی نہیں ہوتے بلکہ ماں باپ اور دوسرے بندوں کو بھی خوشی ہوتی ہے۔

اونچ نیچ ہونا، غلطی کوتاہی ہونا یہ انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، انسان ضعیف البنیان ہے اور انسان نسیان کا پتلا ہے جس سے بھول چوک ہوجاتی ہے جس سے دوسرے بندے کو پریشانی ہوتی ہے۔ تو غلط فہمی کا پیدا ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں ہے لیکن شیطان چھوٹی چھوٹی باتوں کو Zoom (بڑا) کرکے پیش کرتا ہے اور بھائیوں کے دلوں میں ایک دوسرے سے بدگمانی پیدا کرتا ہے، آپس میں نفرتیں پیدا کرتا ہے اس کو کنٹرول کرنا چاہئے۔

بہن بھائی کا رشتہ

بھائی بہن کا تعلق بھی بہت محبت کا تعلق ہے، مگر بھائیوں کی طبیعت یہ ہوتی ہے کہ وہ بہنوں کو خواہ مخواہ تنگ کرتے رہتے ہیں، بیٹھیں ہوں گے تو کبھی اس کے کپڑوں پر بات تو کبھی اس کے کھانے پر بات کبھی اس کی چیزوں پر بات اس کو تنگ کرتے ہی رہتے ہیں، عادت ہوتی ہے مگر اس تنگ کرنے کا مطلب کوئی نفرت نہیں ہوتی، بلکہ یوں سمجھیں کہ ان کا تنگ کرنا محبت کی علامت ہوتی ہے، ہم نے بعض وقت ایسا بھی دیکھا ہے کہ بہن جوان ہے تو اس کے چہرے پر دانے نکل آئے اب ڈاکٹر کہتا ہے کہ اپنے چہرے کو Pollution سے بچاؤ، جب بھائی کو پتا چلا تو آتے جاتے اس کے دانے کے اوپر انگلی رکھتا ہے اس کو پریشان کرنے کے لئے مگر اس کے دل میں نفرت نہیں ہوتی ایک طرف پریشان بھی کرے گا اور اگر بہن کا کوئی مسئلہ ہوگا تو اسی کی طرف سے بولے گا۔ تو ماں باپ بھی اپنے بچوں کو یہ باتیں سمجھائیں کہ یہ زندگی کا حصہ ہے، بیٹے کی شخصیت اور ہوتی ہے اور بیٹی کی شخصیت اور ہوتی ہے۔ بیٹا Rough and tough (ذرا مضبوط) ہوتا ہے وہ ظاہری طور پر دوسرے کو تنگ کرتا ہے کبھی کوئی چیز چھپادی کبھی کوئی چیز چھپادی، مگر یہ اس کی محبت کا طریقہ ہے۔

بہنوں کے اندر اللہ نے Politeness نرمی رکھی ہوتی ہے وہ کہتی کم ہیں اور دل میں بہت کچھ رکھے ہوتی ہیں اور یہ بھی اچھا نہیں ہوتا کہ بہنیں اپنے بھائیوں کے بارے میں چھوٹی چھوٹی باتیں اپنے دلوں میں رکھیں Forgive کردینا چاہئے Forget کردینا چاہئے، اللہ کے لئے معاف کردینا چاہئے اور اس نعمت کی قدر کرنا چاہئے کہ ہمارے رشتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ۔ ان گھروں میں جاکر دیکھیں جہاں صرف بہنیں ہیں، بھائی نہیں ہیں، وہ بھائی کو ترستی ہیں، بھائی ایک دن کی عمر کا بھی ہو تو بہنوں کو اپنے سر پر ایک سایہ محسوس ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہیں، وہ سمجھتی ہیں کہ ہمارا کوئی نگراں اور ساتھ دینے والا ہے، چھوٹے بھائی کا بھی انکو اتنا سہارا ہوتا ہے۔ اور جہاں سارے بھائی ہوں اور بہن نہ ہو تو ان بچوں کی تربیت اچھی نہیں ہوتی، وہ بہت

اکھڑ مزاج ہوجاتے ہیں، دوسروں کے ساتھ بہت Rough and tough روکھی زندگی گذارتے ہیں ان کے اندر متوازن زندگی نہیں آتی جب تک بہن ساتھ نہ ہو، اس لئے بھائی بہن کا ہونا، یہ اللہ کی نعمت ہے ان رشتوں کی قدر کرنا چاہئے کیوں کہ اللہ نے ان کی قدر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال

حضرت یوسفؑ کے بھائی تھے، وہ ان سے حسد بھی کرتے تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ ایک ایسا معاملہ کیا جس کی یوسفؑ توقع بھی نہیں کرتے تھے کہ چھوٹے بھائی کو ایک کنویں کے اندر پھینک دیا۔ حضرت یوسفؑ کے دل پر کیا گذری ہوگی، کیوں کہ بڑے بھائیوں سے ہمدردی کی زیادہ توقع ہوتی ہے۔ یہاں بھائی اپنے ہاتھوں سے ان کو ایک کنویں میں پھینک کر جارہے ہیں، جب پھینک کر چلے گئے تو کہتے ہیں کہ رات آگئی اب یوسفؑ کی پریشانی اور بڑھ گئی ایک تو کنویں کی تنہائی ہے اور دوسرے رات کا اندھیرا ہے اور چھوٹا بچہ تو ویسے بھی جلدی ڈر جاتا ہے، اور اگر کنویں کی تنہائی ہو اور رات کا اندھیرا ہو تو بڑا آدمی بھی ڈر جائے گا۔ چنانچہ اس سے یوسفؑ بہت خوف زدہ ہوگئے ان کی ساری رات بہت غمزدہ حالت میں گذری، مفسرین نے لکھا ہے کہ جب صبح صادق ہوئی تو تھوڑی سی روشنی آئی تو کنویں کے اندر تھوڑی تاریکی کم ہوگئی، اس وقت یوسفؑ نے اللہ سے دعا مانگی کہ اے اللہ میرے اس کرب کو بھی کم کردے اور دنیا میں جو کوئی بھی پریشان ہے اس کی بھی پریشانی کو کم کردے۔ اللہ نے یوسفؑ کی اس دعا کو قبول کرلیا۔ چنانچہ اللہ نے یہ ایسا وقت بنادیا کہ ہر بندے کی پریشانی تہجد کے وقت میں کم ہوجاتی ہے، آپ غور کریں گھر میں کوئی فوت ہوگیا، سارے لوگ رو رہے ہیں اور سب غمزدہ ہیں، لیکن جب تہجد کا وقت آئے گا تو آپ دیکھیں کہ وہ آرام سے سوئے ہونگے، اس وقت ان کا کرب اور پریشانی کم ہوجاتی ہے، ہسپتال میں مریض کو دیکھیں کہ وہ سارا دن پریشان ہوگا، جیسے ہی تہجد کا وقت ہوگا تو بے چینی کم ہوجائے گی۔ تو یوسفؑ کی دعا دنیا کے ہر انسان کے حق میں قبول ہوگئی، اللہ نے وقت ہی ایسا بنادیا، ہم نے دیکھا ہے کہ شادی کے موقع پر کئی مرتبہ نوجوان بچے اور بچیاں کہتے ہیں کہ آج تو ہم ساری رات جاگیں گے، آج تو چاند رات ہے آج تو ساری رات جاگیں گے، خوب ادھم ہوتا ہے ایک دوسرے سے بات چیت، کھانا پینا لیکن ہم نے دیکھا کہ جب تہجد کا وقت ہوتا ہے تو سب سوئے پڑے ہوتے ہیں، کوئی صوفے پر کوئی دری پر کوئی تخت پر، اس وقت ایسا سکون ہوتا ہے کہ سب لوگ نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ تو یہ یوسفؑ کی دعا تھی جس کو اللہ نے ہر بندے کے حق میں قبول کرلیا۔

How you can be a good brother?

اچھے بھائی کیسے بنیں؟ کچھ اصول

اس پر یونیورسٹیز کی ریسرچ ہیں کہ How you can be a good brother? آپ ایک اچھے بھائی کیسے بن سکتے ہیں۔ پہلا Point ہے کہ Be respectful towards each other آپ ایک دوسرے کے ساتھ احترام اور عزت کا برتاؤ کریں! بھائی بھائی کے ساتھ عزت کا معاملہ کرے، بھائی بہن کے ساتھ بہن بھائی کے ساتھ سب ایک دوسرے کے ساتھ عزت کا معاملہ کریں، عزت سے نام لیں، عزت سے پیش آئیں، جو انسان دوسروں کی عزت کرتا ہے اس کو بھی عزت ملتی ہے۔

دوسرا Point یہ ہے کہ ایک اچھے بھائی کو چاہئے کہ School میں اچھے نمبرات حاصل کرے تاکہ ماں باپ بھی خوش ہوں اور بھائی بہنوں کو بھی اس سے خوشی ہوگی۔ چنانچہ بہنیں اپنی سرکل میں اپنے بھائی کی achievements بتاتی ہیں کہ میرے بھائی نے اتنے نمبر حاصل کر لئے، بھائی اپنے بھائی کی achievements (کامیابیاں) دوسرے دوستوں کو بتاتا ہے۔

تیسرا Point ہے Use good language اچھی زبان استعمال کرنا چاہئے! کئی مرتبہ انسان محبت بتانے کے لئے نئے نام سے پکارتا ہے یا ایسا نام جس سے انسان چڑھ جائے ایسا نہیں کرنا چاہئے بلکہ وہ نام پکارنا چاہئے جس نام کو سن کر دوسرے بندے کے دل میں خوشی آجائے، تو آپس میں بھائی بہن کو ایک دوسرے کے ساتھ اچھی زبان استعمال کرنا چاہئے،

بھائی کی ذمہ داری یہ ہے کہ Avoid violence بھائی چونکہ بہنوں کی نسبت Strong طاقت ور ہوتے ہیں تو وہ کئی مرتبہ اپنی Strength (طاقت) کو Abuse (بے جا استعمال) کرتے ہیں، ہاتھ مروڑ دیا، انگلی مروڑ دی، چٹکی کاٹ لی، اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں جس سے کی Physically دوسرے بندے کو پریشانی ہوتی ہے یا چھوٹے بھائی کے ساتھ کوئی مسئلہ کر دیا تو بھائی کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنی طاقت کا غلط استعمال نہ کرے۔

پانچواں Point ہے، ہر بھائی کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ Be protective وہ ان کی حفاظت کرے جب کبھی کسی دوسرے کا معاملہ آجائے تو اپنے بھائی کی ہمت بندھائے اس کے ساتھ رہے اور برے لوگوں سے اس کی حفاظت کرے۔

بہنیں اپنے بھائیوں سے کیا سننا چاہتی ہیں؟

اس پر بھی بہت ریسرچ کی گئی کہ ایک بہن اپنے بھائی سے کیا لفظ سننا چاہتی ہے اور کئی ہزار بچیوں سے انٹرویو لیا گیا کہ آپ لوگ کیا چاہتی ہیں کہ آپ کا بھائی کون سا لفظ آپ کے سامنے بولے تو انہوں نے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا بھائی ہم سے کہے کہ You are valued آپ کی قیمت بہت ہے، آپ قابل قدر ہیں۔ گھر میں یہ بے قیمت چیز نہیں ہیں، یا کوئی فالتو چیز نہیں ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بھائی ہماری عزت کریں اور ہماری قیمت کو پہچانیں۔

پھر بعض بچیوں نے کہا کہ ہم یہ سننا چاہتے ہیں کہ ہمارے بھائی کہیں You are protected کہ تم کوئی غم اور فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں اس سے ان کو سکون اور تسلی ملتی ہے۔ بعض بچیوں نے کہا کہ ہمارے بھائی کہیں کہ۔۔۔۔۔ You are gifted and talented تم بڑی نہیں ہو ہمارے لئے اللہ کا تحفہ ہو اور واقعی بہنیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تحفہ ہوتی ہیں۔ بعض بچیوں نے کہا کہ ہم اپنے بھائیوں سے یہ لفظ سننا چاہتے ہیں کہ You are loved مجھے تم سے بہت محبت ہے یہ محبت کوئی شیطانی، نفسانی نہیں ہوتی، یہ بہن بھائی کی پاکیزہ محبت ہے اس کو شریعت نے تسلیم کیا ہے۔

اسلام کا بہترین اصول اور اُس کا حسن

شریعت اسلامیہ نے گھر کے افراد کے باہمی تعلق کے لئے ایک بہترین اصول بتادیا یوں سمجھیں کہ سمندر کو کوزے میں بند کردیا۔ وہ اصول چھوٹا سا یہ ہے کہ بڑے چھوٹوں سے درگذر کریں اور چھوٹے بڑوں کی فرمانبرداری کریں۔ نبیؐ نے فرمایا کہ وہ بندہ ہم میں سے ہی نہیں **من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا** جو چھوٹوں پر رحم نہیں کھاتا اور جو چھوٹا اپنے بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے ہی نہیں ہے، یعنی مسلمان ہی نہیں ہے، امت ہی میں نہیں ہے، سوچیں کہ کتنی اہمیت ہے اس بات کی کہ چھوٹے اپنے بڑوں کا احترام کریں، شریعت نے کہا کہ بڑے بھائی کا احترام باپ کی مانند کرنا چاہئے جس طرح اپنے والد کا احترام کیا جاتا ہے، اور بڑے بھائیوں کو اپنے چھوٹے بھائیوں کا خیال اس طرح رکھنا چاہئے جس طرح باپ اپنے بچوں کا خیال کرتا ہے۔

جب بہن بھائی دونوں جوان ہوجائیں تو اب ان کا رشتہ ذرا اور مضبوط ہوجاتا ہے، چنانچہ جوان العمر بہن بھائی کے رشتہ کے لئے چند باتیں Let go of silly childhood hurts چھوٹی عمر میں

جوایک دوسرے کو پریشان کیا تھا اس کو بھول جانا چاہئے اور جوانی کی عمر میں ان باتوں کو یاد نہ کرنا چاہئے۔

ایک خاص Point کہ attend each other big or small events ہر موقع پر ایک دوسرے کے پاس جانا چاہئے، مثلاً بھائی کے یہاں کوئی تقریب ہے تو بھائی کو اس میں جانا چاہئے اور بہن کی شادی ہوئی یا اس کے بچہ ہوا تو اس موقع پر بھائی کو جانا چاہئے، یعنی ایک دوسرے کے یہاں کی تقریبات میں غیر حاضر نہ ہونا چاہیے جانا ضرور چاہئے چاہئے چھٹی لینی پڑے یا سفر کرنا پڑے یا کیسی بھی مشکل اٹھانی پڑے لیکن اس کی اہمیت دل میں ہو کہ میرے بھائی کے یہاں خوشی کا موقع ہے مجھے اس میں شریک ہونا ہے، شریعت نے کہا کہ ایک دوسرے کے خوشی اور غم میں بہن بھائیوں کو شریک ہونا چاہیئے یہ نہ ہو کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے کنارہ کرلیں۔

Treat each other like equals جب بڑے ہوجائیں تو بہن بھائیوں کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں، یہ نہیں کہ بھائی بڑی ہستی ہے اور بہن کوئی گئی گزری چیز ہے۔ ایسا تعلق نہیں رکھنا چاہئے بہن کی بھی عزت ہو اور بھائی کی بھی عزت ہو، دونوں ایک دوسرے کے ساتھ برابری کا تعلق رکھیں۔

Don't discuss your relatives' opinions بہن بھائیوں کو چاہئے کہ وہ آپس کے معاملات پر بحث نہ کریں، مثلاً بھائی کہتا ہے کہ بھابی نے تو آپ کے بارے میں یہ کہہ دیا، یہ ایک جملہ ہے جس کی وجہ سے بہن کا دل آگ سے بھر جاتا ہے، یا بہن بھائی سے کہے کہ تمہارے بارے میں تو ابو یہ کہہ رہے تھے؛ اگر کہا بھی ہے تو بتانا ضروری نہیں ہے، یہ نکتہ یاد رکھیں کہ بہن بھائی جب بڑے ہوجائیں تو لوگوں کے Comments (تبصرے) اس طرح آپس میں Share نہ کریں، اس سے دلوں میں فاصلے آجاتے ہیں۔

Don't make distance an excuse for being emotionally distant

ایک بہن کی شادی کسی دوسرے شہر میں ہوگئی، اب دوری تو ہے، مگر اس فاصلے کی دوری کو جذباتی طور پر دور ہونے کے لئے بہانہ نہ بنائیں۔ دور ہو پھر بھی جاتے رہنا چاہیئے۔ ایک دوسرے سے تعلق بنائے رکھنا چاہیئے۔

جب بہن بھائی بڑے ہوجائیں، تو ان کے لئے ایک اصول ہے Stay out of the family drama، فیملی ڈرامہ سے الگ رہیں، مثلاً ماں باپ کے درمیان کسی بات پر بحث ہوگئی، تو اس میں حصہ نہ لیں۔ کیونکہ کوئی ماں کی طرف داری کرے گا، کوئی باپ کی طرف سے بولے گا، تو اس میں اِن کے اپنے

رشتہ میں تلخی آجائے گی۔ انسان ہیں، اگر اِس وقت ماں باپ بحث کر بھی رہے ہیں، تو تھوڑی دیر بعد پیار محبت کی بات بھی کریں گے۔ ماں باپ کے معاملات کو ماں باپ کے ساتھ رکھنا چاہیئے۔ یا کوئی فیملی کا مسئلہ ہے؛ تو بچوں کو چاہیے کہ اس سے دور رہیں۔ جب کسی فیملی میں زیادہ لوگ ہوتے ہیں تو خاندانی سیاست بھی بہت چلتی ہے۔ جتنے زیادہ دماغ اتنی زیادہ سوچیں، تو اس صورت حال میں الگ تھلگ رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کوئی بھی معاملہ ہو تو کسی ایک کی Openly side نہ لیں، بلکہ دونوں کے ساتھ تعلق کا محبت کا اظہار کریں۔

Tips for parents to improve sister-brother relationship

والدین کے لئے بھائی بہن کے تعلق کو بہتر بنانے کے گُر

کئی جگہ بھائی بہن کا رشتہ بہت خراب ہوتا ہے، بھائی بہن آپس میں بولتے تک نہیں، ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ دشمنوں کی طرح پیش آتے ہیں، تو ماں باپ پریشان ہوتے ہیں، ان کے لئے یہ Tips ہیں، کہ وہ اپنے بچے بچیوں کے درمیان تعلق کو کس طرح بہتر بنا سکتے ہیں۔

پہلا point یہ کہ Treat your children fairly بچوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ رکھنا چاہیئے، کسی ایک کو دوسرے کے اُوپر بہت زیادہ Priority (ترجیح) نہ دیں۔

Avoid double standard between daughter and son دوہرا معاملہ نہ رکھیں بیٹی اور بیٹے کے معاملے میں، یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ بیٹے کے ساتھ معاملہ الگ انداز کا اور بیٹی کے ساتھ دوسرے انداز کا نہیں! دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا چاہیئے،

تیسرا point کہ Set regular family bonding time ایسا نظام بنائیں کہ پابندی کے ساتھ ایک وقت میں پوری فیملی اکٹھا ہو، مثال کے طور پر ایک وقت کا کھانا، اب بچوں کو یہ بتانا چاہیے کہ آپ کو اِس وقت کا کھانا ہر حال میں سب کے ساتھ ہی کھانا ہوگا، یہ نہ ہو کہ اس وقت بیٹا کھیل رہا ہو، اور بیٹی ہوم ورک کرنے بیٹھ جائے، اسکول کا کام، کالج کا کام، کھیل وغیرہ سب اپنی جگہ، مگر اِس وقت فیملی کے ساتھ کھانا کھانا یہ ضروری ہے، ایک ساتھ مل کر بیٹھنے اور کھانے سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی پابندی کروانی چاہیئے۔

ماں باپ کو چاہئے کہ Take your children to general neutral

places کبھی کبھی چھٹی لے کر اپنے بچوں کو گھمانے لے جائیں کسی پارک وغیرہ میں اس سے یہ ہوتا ہے کہ ایسی جگہوں پر جا کر بچوں کا آپسی تعلق مضبوط ہو جاتا ہے، محبت بڑھ جاتی ہے، ایسے ایونٹ سال میں ایک دو ضرور رکھنا چاہئے، یہ عبادت ہے اس کو یہ نہ سمجھیں کہ وقت ضائع کر رہے ہیں یہ وقت کا ضیاع نہیں ہے، بلکہ گھر کے جتنے بھی افراد ہیں ان کے درمیان Cement کا کام کرتا ہے اور ایسے Events سے سب بچے چست ہو کر آتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کا پیار و محبت کا تعلق بڑھ جاتا ہے اور پھر وہ سالہا سال اس کی Memory یا (دداشت) ایک دوسرے کے ساتھ Share کرتے رہتے ہیں یا پھر کسی ایسی جگہ جس کو Water park کہتے ہیں یا کوئی اور ایسی جگہ جہاں پر بے حیائی نہیں ہے اور جانا مناسب ہو تو ایسی جگہوں پر اپنے بچوں کو لے جانا یہ ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

ماں باپ کو چاہئے جب بچوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں تو کسی نہ کسی بچے کی جو Childhood Memory ہے اس کا تذکرہ ضرور کریں، بچپن کی باتوں کا تذکرہ کرنے سے بچوں کو اپنائیت محسوس ہوتی ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ہماری فلاں بات کو یاد رکھا گیا، اس کا مطلب ہے کہ دلوں کے اندر ایک دوسرے کے لئے محبت ہے۔

پھر ماں باپ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ بچوں کو سمجھائیں How to resolve conflict ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی مسئلہ تو بن ہی جاتا ہے لیکن اگر مسئلہ بنتا ہے تو وہ حل بھی تو ہو سکتا ہے، تو بچوں کو سمجھائیں کہ دیکھو ایسی طبیعت ہونی چاہئے کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو اس کو فوراً Resolve حل کر لینا چاہئے کچھ درگذر کا معاملہ کرنا چاہئے، کچھ منوالیں، کچھ مان لیں مگر صلح صفائی کر لیں، بچوں کو سمجھائیں کہ Win اور Loss (جیت اور ہار) کی جو کیفیت ہے اچھی نہیں ہوتی کہ ایک بندہ تو Win کر رہا ہے اور دوسرا Loss کر رہا ہے، ہارنے والے کا دل جلتا رہتا ہے، تو بچے ایسی بات پر آمادہ ہوں جو Win - win situation ہو، یعنی دونوں ہی کی جیت ہو، تاکہ بچے ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں۔ جب بھی Conflict situation (تنازعہ کی صورت حال) ہو تو ماں باپ کو چاہئے کہ کسی ایک بچے کے ساتھ نہ ہوں بلکہ اس Conflict (جھگڑے) کو neutral (غیر جانبدار) ہو کر حل کریں۔

Why it is important to have a brother

بہنوں کے لئے یہ کیوں ضروری ہے کہ گھر میں بھائی بھی ہو۔

ریسرچ کا پہلا Point ہے His presence remind you of the

importance of family بھائی کی موجودگی سے آپ کو فیملی کا اندازہ ہوتا ہے کہ پوری فیملی کیسی ہوتی ہے He will fight for you,even if he is fighting with you۔ بھائی کا ایک اور معاملہ ہے کہ اگر چہ بہن کے ساتھ اس کی لڑائی ہوگی اور کوئی تیسرا بہن سے لڑے گا تو بھائی بھی بہن کی طرف سے لڑنا شروع کر دیگا۔ اگر چہ بہن سے اس کی خود لڑائی ہو رہی ہوگی، بھائی ہمیشہ اپنی بہنوں کا ساتھ دیا کرتے ہیں۔

ایک اور Point ہے کہ Brother loves sister's kids as thy are his own children۔ بھائی اپنی بہنوں کے بچوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح وہ اپنے بچوں سے کرتے ہیں، تو بھانجے بھانجیوں سے ایسی محبت ہوتی ہے جیسے اپنے بیٹے بیٹیوں سے محبت ہوتی ہے۔

ایک Point یہ ہے کہ بھائی کا یہ فائدہ ہے کہ کسی بھی وقت بچی کے لئے کوئی Proposal (پیغام) آئے، تو بھائی سب سے اچھی رائے دیتا ہے کیوں کہ وہ اسی عمر کا ہوتا ہے تو اس لڑکے کو جلدی سمجھ لیتا ہے کہ یہ کیسا لڑکا ہے، تو بہن کو وہ بتا دیتا ہے کہ لڑکے کا مزاج ایسا ہے، اس کی طبیعت ایسی ہے اس کا خاندانی Background ایسا ہے اس کے دوست احباب ایسے ہیں تو بہن کو ساری Information والد نہیں بتا پاتا، بھائی بتاتا ہے تو بھائی کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے۔

ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ He loves you unconditionally بھائی اپنی بہن سے بغیر کسی ضرورت اور شرائط کے محبت کرتا ہے کیوں کہ بھائی بہن کا رشتہ ہوتا ہے۔

پھر He will always defend you جب بہن پر کوئی مسئلہ آتا ہے تو ہم نے دیکھا کہ بھائی اپنی بہن کا دفاع کرتا ہے۔

He makes you look good in the eye of parents بھائی ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہے کہ ماں باپ کی نظر میں بہن کی عزت رہے وہ ماں باپ کی نظر میں اس کو گرنے نہیں دیتا اپنے جھگڑے، لڑائیاں اور باتیں ایک طرف مگر ماں باپ کی نظر میں اپنی بہن کی عزت ہی رکھتا ہے۔

ایک اور بات کہ He is the only person whos speaks your language بھائی ہی ہوتا ہے جو بہن کی زبان بولتا ہے Age group ایک ہوتا ہے اور زندگی ایک گھر میں ایک ساتھ گزری ہوتی ہے، اس طرح وہ ایک دوسرے کی زبان کو جانتے ہیں اس لئے بھائی ہی ہوتا ہے جو بہن کی زبان بولتا ہے، بھائی کے فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے۔

ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ He makes you laugh بھائی عام طور سے ہنسی مذاق کی باتیں

کرتے ہیں تو والدین بھی ہنستے ہیں اور بہنیں بھی ہنستی ہیں۔

ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ He keeps your secret بھائی اپنی بہنوں کے راز کھولتے نہیں ہیں ان کو رسوا نہیں کرتے ان رازوں کو پوری زندگی اپنے دلوں میں چھپاتے ہیںہیں۔

He values your advise اگر آپ کوئی مشورہ دیں گی تو بھائی ہمیشہ بہن کی رائے کا بہت خیال رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔

فرض کرو کہ اگر بھائی کہ بہن کے ساتھ بول چال بند ہے You can pickup with your brother any time of your life اگر چہ بات چیت بند ہے اور کسی بھی وقت آپ اس سے معافی مانگ لیں گی تو بھائی جہاں سے تعلق ختم ہوا تھا وہیں سے پھر محبت کا تعلق شروع ہو جائے گا اس کو pickup کرنے کے لئے وقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بھائیوں کی وجہ سے بہنوں کے اندر Humbleness آتی ہے وہ چونکہ ان کے ساتھ صبر کرتی ہیں ان کے ساتھ کام کرتی ہیں، تو اس سے ان کے اندر جو تکبر اور فخر ہوتا ہے وہ ٹوٹتا ہے اور نفس درست ہو جاتا ہے۔

پندرھواں فائدہ کہ He will go out of his way for you بھائی اپنی بہن کی مدد کے لئے بہت آگے تک جا سکتا ہے۔۔۔۔تو اگر اپنے گھر کے بچوں کو یہ باتیں سکھائی جائیں گی تو بھائی بہنوں کا آپس میں تعلق بڑھے گا، محبت و پیار سے رہیں گے اور ماں باپ کے لئے وہ گھر جنت کی مانند ہوگا۔ اللہ کی شان کہ بھائی کا تعلق ایسا ہے کہ جب انسان پر مشکل وقت آتا ہے تو اس کو بھائی یاد آتا ہے۔

☆☆☆

(۔۔۔محفل قرآن صفحہ ۲۴ کا بقیہ)

فرضِ محال ہے، ورنہ پیغمبرانِ معصومین سے اس کے صدور کا کیا سوال؟ مگر شرک کی برائی بتانے کے لئے قرآن اس آخری درجہ تک جاتا ہے۔

دعوتِ محمدی مشرکوں کے علی الرغم کامیاب ہوگی

آگے ارشاد ہوا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ۔۔۔۔ یہ سب وہ بندے ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمت ونبوّت عطا کی تھی۔ سو اگر یہ لوگ (اہلِ مکہ) ان سے رشتہ جوڑتے ہوئے بھی کتاب وحکمت اور نبوت کی اس نعمت کو قبول کرنے سے انکاری ہیں جو نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ان پر اتری ہے (فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ) تو اے نبی پرواہ نہ کرو کہ ''ہم نے ایسے بندے اس کے لئے مقرر کردئے ہیں کہ وہ انکار کی ناشکری کرنے والے نہیں۔'' (فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝۸۹) چنانچہ جن سعید روحوں نے وہاں دعوتِ محمدی قبول کرلی تھی انھوں نے اللہ کے اس قول کو صحیح ثابت کرتے ہوئے اس سے وفاداری کا وہ ثبوت مکہ کے دورِ غربت کے مصائب کے مقابل میں دیا کہ دنیا کی تاریخ میں آپ ہی اپنی مثال!

تم بھی اے نبی انبیاءِ سابقین کی راہ پر رہو

آخری بات ارشاد ہوئی ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۔۔۔ وہ کہ جن کا اوپر ذکر ہوا یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی پس تم اے نبی انہی کی راہ پر چلو۔ وہی راہِ توحید اور اس پر وہی صبر واستقامت جو ان انبیاءِ سابقین کا شیوہ رہی۔ اور اس راہِ حق ودعوتِ حق پر چلتے ہوئے اپنی قوم سے کہدو کہ تم جو یہ سُنی اِن سنی کررہے تو ذرا اس پر غور کرلو کہ میں جو تمھیں کتابِ ہدایت کی آیتیں سناتا ہوں تو کسی اجر و معاوضہ کا تو طلب گار اس پر نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا جہاں کے لئے بس ایک نصیحت ہے یاددہانی ہے جس سے میں تمھیں آگاہ کرتا ہوں۔

ایک ضروری تنبیہ

حضرت ابراہیم کا یہ قصہ جو یہاں بیان ہوا یہ اختصار کے ساتھ سورۂ مریم (۱۹) میں بھی آتا ہے۔ اور اس سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوجاتی ہے کہ یہ آپ کو نبوت ملنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ وہاں حضرت ابراہیم کا اپنے والد سے مکالمہ زیادہ تفصیل کے ساتھ ہے۔ اور اسی میں نبوت کا اظہار ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کچھ تفاسیر میں بعض روایات اس کو بالکل مختلف انداز میں دکھاتی ہیں۔

☆☆☆

مفتی زین العابدین قاسمی ☆

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
دورِ حاضر کے تناظر میں

خلافت عثمانیہ کا سقوط تاریخ اسلام کا ایک ایسا دل خراش باب ہے، جس پر جتنے مرثیے پڑھے جائیں، جتنا رویا جائے کم ہے۔ دیوار خلافت کے گرنے کے بعد مغرب نے جب میدان صاف دیکھا تو اپنے سارے لاؤلشکر کے ساتھ عالم اسلام پر چڑھ دوڑا، اور عالم اسلام پر اپنے تمام سیاسی، تعلیمی، اقتصادی نظاموں کو لاگو کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جس کے لازمی اثرات مسلمانوں کی انفرادی، اجتماعی، سیاسی اور قانونی زندگی پر مرتب ہوئے۔ پھر استعماری دور میں تعلیمی نظام کے ذریعے اسلامی روایات، تہذیب وتمدن اور اسلامی تعلیمات کو مٹانے کی منظم کوششیں کی گئیں، جس کی وجہ سے برصغیر میں دوسرے مسلم ممالک کی طرح، استعماری نظام کے زیر سایہ پورا خطہ متأثر ہوا اور بتدریج ہر شعبۂ زندگی میں دین سے دوری و بے زاری، شر وفساد سرایت کرتا چلا گیا، اور ''ساکنانِ عرش اعظم کی تمناؤں کا خون'' ہونا شروع ہوگیا۔

حالات کا بظاہر ذمہ دار مغرب اور اس کے علم وفلسفہ اور نظامہائے حیات تھے، اور حقیقت میں خود امت مسلمہ کی اپنی بداعمالیاں، بداخلاقیاں اور بے اعتدالیاں تھیں۔ مسلمانوں کی اس صورت حال کا ادراک علماء ودیگر اہل علم کو ابتداء ہی سے رہا، اس لئے اس حالت کو تبدیل کرنے کی تڑپ کے نتیجے میں، اہل علم وفکر، اہل زہد وتصوف اور مختلف شخصیات وتحریکات نے اپنے اپنے اعتبار سے مرض کی تشخص کر کے دوائیں تجویز کیں اور اپنے اپنے انداز سے علاج معالجہ کی کوششیں کیں۔ مدارس، مکاتب، مساجد اور خانقاہوں نے اپنی تنگدستی اور وسائل کی کمی کے باوجود، امت کے ایک طبقے کو اس بحر مادیت ومغربیت میں غرق ہوجانے سے بچانے کے لئے اپنی مبارک اور عظیم خدمات پیش کیں، اور بڑی حد تک کامیاب رہے۔ ان سب کے باوجود استعمار اور اس کے معاون اداروں، ایجنسیوں اور تمام نظامہائے حیات کے زیر اثر امت کا جو اکثر طبقہ تھا ان پر مغرب کے غلبے نے جو اثر کیا تھا اور کر رہا ہے اس کے تریاق کا نسخہ ابھی حکمائے امت ودانشمندانِ ملت کے پاس تیار نہ تھا۔ اگر تیار ہوئے بھی تھے تو مرض کی شدت اور اس کا تنوع اسے بے اثر کر رہا تھا جس کی

☆ ناظر معہد الامام ولی اللہ الدھلوی للدراسات الاسلامیہ ونائب ناظم دارالعلوم امام ربانی، نیرل، ضلع رائے گڑھ، مہاراشٹر

واضح مثال اسلامی دنیا اور برصغیر میں خصوصاً تعلیم کی ثنویت اور اس کے نتیجے میں پھلنے پھولنے اور پروان چڑھ کر مغرب کی آنکھ کے اشارے پر گردنیں پیش کرنے اور کاٹنے والے طبقے کا غلبہ ہے۔ اور یہ صورت حال جس کی دستک گذشتہ صدی کے اوائل سے سنی گئی تھی، اب اس کی جڑیں بے حد پائے دار ہو چکی ہیں۔

ایسی صورت حال میں حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم جیسی شخصیت کا وجود نہ صرف برصغیر بلکہ مختلف براعظموں کے مسلمانوں کے لئے خصوصی فضل خداوندی محسوس ہوتا ہے، اور امت مرحومہ کی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھنے والوں کے لئے امید کی نئی کرن سے کم نہیں۔ مذکورہ بالا سطور میں جو احساسات پیش کئے گئے ہیں، اس مختصر تحریر میں ان کے اسباب اور وجوہات پر ایک اچٹتی نظر ڈالنا مقصود ہے، جو لوساکا (زامبیا) کے اعتکاف کے دوران دیکھنے میں آئے۔

یہ تقریباً ۲۰۰۴ کی بات ہے، جب حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم کی کتابیں ایک پاکستانی مصنف کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند کے اطراف میں آباد کتب خانوں میں نظر آئیں، مگر خرید کر پڑھنے کا کوئی خاص داعیہ دل میں پیدا نہیں ہوا۔ حضرت پیر صاحب کی شخصیت کے بارے میں تجسس اس وقت پیدا ہوا جب یہ معلوم ہوا کہ ہمارے شہر حیدرآباد میں اور خصوصاً اشرف العلوم میں بکثرت آنے والی معروف علمی وفکری شخصیت حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ، حضرت پیر صاحب سے بیعت ہو چکے ہیں اور خلافت سے بھی سرفراز کئے جا چکے ہیں۔ اس بات نے حضرت پیر صاحب کی کتابوں کو پڑھنے پر ابھارا اور یوں حضرت پیر صاحب سے غائبانہ تعارف کی ابتدا ہوئی اور حضرت پیر صاحب کی ہندستان آمد کے وقت (ان دنوں بسلسلۂ تعلیم بیرون ملک قیام ہونے کی وجہ سے) ملاقات نہ ہونے کی حسرت نے شوق دید کو بھڑکا دیا اور یہ شوق اتنا بڑھا کہ دعائیں بھی ہونے لگیں اور تدابیر بھی شروع ہوگئیں، پھر تقدیر اور تدبیر نے رنگ دکھایا اور امسال رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کے اخیر عشرے میں حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب مدظلہ کی معیت میں لوساکا (زامبیا) حاضری کا موقع ملا اور حاضری بھی ایسی کہ جذبات کا ایک سمندر سینے میں موجزن کہ جو دیکھا اور محسوس کیا وہ قلم کے ذریعہ اپنے جیسوں کے سامنے، جو شوق دید میں مرغ بسمل ہیں یا نہیں، جو اس درجاناں کے کوچہ کی حاضری دے چکے ہیں، اپنے جذبات کا اظہار کیا جا سکے۔

اس محفل میں نہیں گرچہ مدت سے رسائی
مگر آج بھی آنکھوں میں عالم ہے وہیں کا

عام طور پر سفری روداد اور اعتکاف کے معمولات جو دن و رات پر محیط ہوتے ہیں، ان کی تفصیلات

میں جائے بغیر، جن چیزوں پر روشنی ڈالنی ہے اور جو مقصود ہے، اس راہ پر قلم کو موڑنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور اس عاجز کی نظر میں جو چیزیں قارئین کے سامنے پیش کرنے کی محسوس ہوئیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے معتکفین پر ایک اچٹتی نظر

۲۔ حضرت پیر صاحب کی مجلسیں اور بیانات

۳۔ حضرت پیر صاحب کی شخصیت

(۱) معتکفین پر ایک نظر

لوسا کا شہر میں واقع ایک چھوٹی سی مسجد جو ''مسجد عمر'' کے نام سے موسوم ہے، اسی میں اعتکاف ہوتا ہے، ۲۰ رمضان ۱۴۳۶ھ عصر کے وقت ہمارا مختصر سا قافلہ مسجد پہنچا تو حضرت پیر صاحب اپنے جانثاروں کے جُلو میں اعتکاف کے لئے مسجد میں داخل ہو رہے تھے اور ساری مسجد دیدار کے لئے جمع ہو چکی تھی، ہم بھی حضرت کے پیچھے معتکف میں مختصر سے سامان کے ساتھ پہنچ گئے۔ ہماری خوش قسمتی یہ رہی کہ ہمیں حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ کی معیت حاصل رہی جس کے سبب ملاقاتیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور ہم نے غنیمت جان کر سب سے تعارف لینا شروع کیا۔ ہر آنے والے کے چہرے اور وضع قطع سے ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ یہ حضرات مدارس کے فارغین یا اساتذہ ہیں یا پھر تبلیغ سے جڑے ہوئے حضرات، جنہوں نے سالہا سال اپنی زندگیاں اس بابرکت محنت میں لگائی ہوئی ہیں۔ مگر ہمیں اپنا یہ خیال بدلنا پڑا، جیسے جیسے ملاقاتیوں سے تعارف ہوتا رہا، پردے اٹھتے گئے اور پھر جو چیز سامنے آئی اس نے نہ صرف یہ کہ ہمیں بہت حیرت زدہ کیا بلکہ احساسات وجذبات کا ایک ایسا طوفان امڈ آیا کہ جس نے اس تحریر کو قلمبند کرنے پر مجبور کر دیا۔ خلاصۃً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو معتکفین تھے ان میں سے اکثریت ان حضرات کی تھی جن کا تعلق برصغیر سے تھا۔ ایک معتدبہ تعداد ان لوگوں کی تھی جن کی بود باش امریکہ یا یوروپ کے کسی ملک میں ہوئی تھی اور اب وہ وہیں کے ہو رہے، اور ایسے بھی تھے جنہوں نے دیار غیر میں ہی جنم لیا تھا، اور بعض ایسے بھی تھے جو روس، چیچنیا اور افریقہ کے ممالک کے اصل باشندے تھے، جن میں سے بعض حضرات، حضرت پیر صاحب کے خلفاء بھی تھے۔ ان معتکفین حضرات میں جو چیز قابل ذکر محسوس ہوئی وہ یہ تھی کہ، ان میں اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اپنے ملکوں کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور جامعات میں زیر تعلیم یا وہاں کے فارغین کی تھی، یا تاجر و کاروباری حضرات کی تھی، اور ان میں سے بعض بڑی بڑی کمپنیوں میں اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، یا پھر علماء، مدارس اور اسکولوں و کالجوں کی شخصیات۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے؛ یہ طبقہ اندھے عقیدت مندوں کا نہیں تھا، جو محبت و عقیدت

میں اندھادھند، لمبی لمبی مسافتیں اور کافی اخراجات برداشت کرکے صرف دس دن کے لئے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلا آرہا ہو، بلکہ یہ وہ لوگ تھے جو اپنی زندگیوں اور میدانوں میں بہت کامیاب وکامران، اپنی زندگی کے فیصلوں کو سوچ سمجھ کر لینے والے، چیزوں میں غور تدبر کرنے اور ہر پہلو کے نقصان اور فائدے پر نظر رکھنے والے تھے۔ جس سمت میں بھیڑ چل رہی ہو اسی سمت میں منھ اٹھا کر چلنے والے نہ تھے، ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جو عمر رسیدہ، وظیفہ یاب اور جن کے بچے اپنے قدموں پر کھڑے ہو چکے ہوں اور فرصت کے لمحات گذارنے کا ایک صحیح مصرف اور جگہ نکل آئی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اسی کے ساتھ جہاں معتکفین میں جدید تعلیم یافتہ ''مسٹر'' خالص قدیم طرز پر اسلاف واکابرین کے لباس میں ملبوس ملے، وہیں علماء کی بھی ایک خاص تعداد تھی جو اپنے وجود کا احساس دلا رہی تھی، اور ان میں سے بعض علماء تو برصغیر کے بڑے بڑے علمی اداروں کے یا تو ذمہ دار تھے یا بڑے اساتذہ میں جن کا شمار ہوتا تھا؛ جیسے دارالعلوم دیوبند کے مسند درس کی درخشندہ وتابندہ شخصیات۔ یہ اور اس جیسے مرجع الخلائق شخصیات کا حضرت پیر صاحب کی طرف بکثرت رجوع اور والہانہ محبت و تعلق بند الفاظ میں، بہت کچھ بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔

اصلاحی وتربیتی اور تعلیمی تحریکات وشخصیات اور تنظیموں کا، جو اصل امتحان ہوتا ہے وہ ان تمام محنتوں کے نتائج کا حصول ہے، اگر ان کوششوں کے ثمرات سامنے آرہے ہوں، جس کو مقصد بنا کر ان محنتوں کو اٹھایا گیا، تو پھر وہ کامیاب شمار کی جاتی ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے بھی جب ہم اعتکاف میں آنے والے حضرات کی زندگیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو نتائج حوصلہ افزا ہی نہیں حیرت انگیز محسوس ہوتے ہیں۔ (یہاں پر ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ اعتکاف میں آنے والا مجمع صرف نمونہ ہوتا ہے، عالم میں پھیلے ہوئے حضرت پیر صاحب کے وابستگان کا)، مندرجہ ذیل سطور میں بطور مثال، چند حضرات کا تعارف آپ سے کروانا چاہتے ہیں جن سے، حضرت پیر صاحب کی شخصیت سے پھیل رہے نفع عام وتام کی ایک ہلکی سی جھلک محسوس ہوگی۔

مولانا شیخ اظہر اقبال صاحب

ان سے ملئے یہ ہیں مولانا شیخ اظہر اقبال صاحب، چہرہ اسلاف کی یادگار، خلیق وملنسار، خدا نے حسن سیرت اور حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن صوت سے بھی نوازا، حضرت پیر صاحب کی اکثر مجالس، میں حمد ونعت کے ذریعہ دلوں کو گرماتے اور عشق الٰہی ومحبت رسول کی آگ کو دلوں میں اور تیز کر دیتے ہیں۔ مولانا کا تعلق کراچی سے ہے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد مزید تعلیم کی پیاس انہیں امریکہ کی پنسیلوانیا یونیورسٹی لے گئی، جہاں سے اقتصاد میں ڈگری حاصل کی، اور پھر ماسٹرس اسی موضوع پر نیویارک یونیورسٹی سے کیا۔ اس

کے بعد، اپنے پیرومرشد کے ایماء پر، پاکستان واپسی ہوئی، اور پھر حضرت پیر صاحب مدظلہ کے حکم پر، معہد الفقیر سے مکمل ۸ سالہ عالمیت کا کورس کیا۔ مزید یہ کہ، ۲۰۰۳ء میں حضرت پیر صاحب مدظلہ نے خلافت کی ذمہ داری کندھوں پر ڈال دی۔ اس طرح ایک شخص جو دورِ حاضر کے عام نوجوانوں ہی طرح پروان چڑھا، اسی عام ذہنی وفکری ساخت کے ساتھ چڑھا، مگر ایک عالم ربانی کی صحبت ومعیت نے، دین کی محبت ایسی پیدا کی کہ رقیبوں کی صحبت کو خیرآباد کہہ کے، ایسی "گھر واپسی" کی کہ، اپنے علاقے میں ہفتہ واری بیانات، تفسیر قرآن اور لوگوں کی اصلاح وتربیت کے لئے مجلسوں کا اہتمام شروع کیا، اور پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں، جیسے GIKI کراچی، لیاقت علی خان میڈکل اینڈ ہیلتھ یونیورسٹی اور PAFKEIT اور ان جیسے عصری دانش گاہوں میں، جہاں ہمارے نوجوانوں کو اسلام بے زاری سکھائی جاتی ہے، دین کی غلط تعبیر وتشریح کے ذریعہ ان کے ذہنوں کو مسموم کیا جاتا ہے، نتیجۃً وہ تاریخ اسلامی، علماء اسلام اور دینی مختنوں سے دور ہوتے جاتے ہیں، وہاں ان جیسے تمام امراض کے علاج کے لئے حضرت پیر صاحب کا یہ سند یافتہ علمی وروحانی طبیب مختلف اصلاحی و دعوتی سرگرمیوں کے ذریعہ نوجوان طلبہ وطالبات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جوڑنے، دین پر عمل کرنے اور شریعت وسنت کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کے لئے ہمہ تن سرگرم عمل ہوگیا۔

جناب اظہر عثمان صاحب

ان سے ملئے یہ امریکہ سے تشریف لائے ہیں، طویل القامت اور جسم وجثہ کی مالک شخصیت، مگر مکمل عاجزی وانکساری کے پتلے، دوتین مرتبہ حضرت مولانا سجاد نعمانی مدظلہ سے ملاقات کے لئے، ان کے معتکف میں تشریف لائے، ایک مرتبہ تعارف ہوا تو کہنے لگے: ''I am a comedian'' یہ ناچیز لوگوں کو ہنسانے کا کام کرتا ہے۔ تو ہمیں محسوس ہوا کہ مزاحاً یا تواضعاً اس طرح کہہ گئے ہوں، جب دوبارہ اصراراً پوچھا تو فرمایا کہ پیشے سے تو میں ایک وکیل ہوں، مگر اب Stand up کومیڈی کو زندگی کا مشغلہ بنالیا ہے۔

امریکہ یورپ اور دوسرے ممالک میں ہزاروں لوگ ان کے شوز دیکھتے ہیں اور وہ بڑی شہرت کے مالک ہیں اور ہمیشہ اپنے شوز کے سلسلے میں پابہ رکاب رہتے ہیں۔ حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم سے تعلق ہوا، تو اپنے اس ہنسنے ہنسانے کے خداداد فن کے ذریعہ اب اسلامی اقدار اور روایتوں کی بھرپور رعایت کے ساتھ بلند انسانی قدروں کی اشاعت کو مقصد بنا کر اپنے شوز کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ دین سیکھنے اور اپنے اندر معرفت خداوندی پیدا کرنے کی تڑپ امریکہ سے افریقہ کے دورافتادہ ملک دس دن کے لئے کھینچ لائی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ موصوف اپنی تمام تر مشغولیتوں کے ساتھ، علوم دینیہ سیکھنے کی شروعات کر چکے

ہیں۔اللہ انہیں استقامت دے اور دین کی مقبول خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

کیسے کیسوں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت پیر صاحب کے دامن سے وابستہ کرکے، دین اسلام کی صرف ظاہری شکل وصورت ہی نہیں، بلکہ ان کے باطن کو بھی عشق خدا اور محبت رسول سے منور کردیا اور وہ لوگ جو بے عملیوں کے نمونے تھے، اسلام کی شبیہ کو بگاڑنے والے، دوسروں کو اسلام بیزار اور اسلام سے دور کرنے کا باعث تھے وہ آج اسلام کی ایک منھ بولتی تصویر بن چکے ہیں، عالمی سطح پر اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ، جہاں عام مسلمان اور عام علماء کی پہنچ نہیں ہوسکتی، ان پلیٹ فارموں کے توسط سے عالمی میڈیا کی اسلام مخالف کوششوں کا اپنی بساط کے موافق دفاع بھی کررہے ہیں، انہیں جیسے لوگوں پر ہی یہ مصرع صادق آتا ہے۔ع

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے۔

جناب محمد پٹیل صاحب

ان سے ملئے، یہ ہیں جناب محمد پٹیل صاحب، گجرات کی پٹیل فیملی کے گوہر نایاب، ان کے چچا اور والد ۶۰ کی دہائی میں زامبیا بغرض تجارت آئے اور یہیں کے ہورہے، والد تو اب بھی بھارتی پاسپورٹ کے حامل ہیں البتہ تجارتی اور علاقائی آسانیوں کے پیش نظر محمد صاحب اور ان کے دیگر بھائیوں نے زامبیا کی نیشنلٹی حاصل کرلی ہے۔اللہ نے اس خاندان کو دنیاوی اعتبار سے خوب نوازا ہے، دینی مزاج اور اکابرین سے تعلق (جو گجرات کی مٹی کا خاصہ ہے) اور پھر حضرت پیر صاحب کی شخصیت اور صحبت بافیض نے وہ اثر دکھایا کہ چند سال پہلے ہوئی ملاقات اور حالیہ ملاقات میں، جو زامبیا میں ہوئی، بہت نمایاں فرق محسوس ہوا، چہرہ سنت سے سجا ہوا، چال ڈھال میں سنتوں کی جھلک، کردار وگفتار میں اسلامی تہذیب کے خطوط نمایاں، تجارتی وکاروباری معاملات میں اسلامی احکام کو جاننے کی کوشش اور عمل کرنے کی تڑپ، یہیں پر بس نہیں بلکہ حد تو اس وقت ہوگئی جب یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے حضرت کی ہدایت پر باقاعدہ درس نظامی کے ذریعہ علم دین کے حصول کی کوشش شروع کردی ہے۔ان کی مصروفیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی ''سیکورٹی'' کی کمپنی ہے، جو گھروں اور کمپنیوں اور مالیاتی اداروں کے لئے حفاظتی دستے فراہم کرتی ہے اور ان اداروں کے پیسوں کی بحفاظت منتقلی کا انتظام دیکھتی ہے، جس میں تقریباً ۶ ہزار افراد یومیہ کام کرتے ہیں، یہ کمپنی ان کے دوسرے کاروبار کے علاوہ ہے، مگر اس کے باوجود دین سیکھنے کا شوق، قرآن وحدیث کو سمجھنے کا جذبہ آج کے اس دور زوال میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، اور یہ اسی دوائے دل بیچنے والے (حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم) طبیب روحانی کی نظر اور صحبت، کی کرشمہ سازی ہے۔یہی نہیں جناب محمد صاحب نے اپنے گھر کا بڑا حصہ جامعہ زینب کے لئے وقف کررکھا ہے، جہاں طلبہ وطلبات کے لئے

شعبۂ حفظ وعالمیت کا نظم کیا گیا ہے جس میں مختلف ملکوں کے لڑکے اور لڑکیاں (الگ الگ عمارتوں میں) حتی کہ روس جیسے اسلام دشمن اور مسلم بیزار ملک سے، علم کی پیاس بجھانے اور دینی علم کو سیکھنے کے لئے، حضرت پیر صاحب کے قائم کردہ اس جامعہ میں آرہے ہیں۔

انہیں کے چھوٹے بھائی جناب اشرف پٹیل صاحب، ہمارے ساتھ اعتکاف میں شریک تھے، بڑے خوش مزاج اور سعادت مندی کے مظہر۔ حضرت پیر صاحب سے اس خاندان کے تعلق کے بعد، ان کی ایک لڑکی جو انگریزی تعلیم حاصل کررہی تھی، دین سیکھنے اور دینی علوم کو پڑھنے کا جذبہ ایسا پروان چڑھا کہ جامعہ زینب میں، ایسے وقت داخلہ لیا، جب مدرسہ کا تعلیمی سال ختم ہونے میں صرف ۳/ماہ باقی تھے، اور ان ۳/ماہ میں انکی صاحبزادی نے تمام سال کی تعلیم مکمل کی اور اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کر کے انعام حاصل کیا۔

دو بھائی

یہاں دونو عمر بھائیوں (عبداللہ اور زید) کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا یہ دونوں پہلے دن جب حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب کا قیام جناب محمد پٹیل صاحب کے گھر پر تھا، وہاں مولانا سے ملاقات کے لئے آئے، بڑے ہی باادب با سلیقہ۔ بڑے بھائی کی عمر بمشکل ۱۵ اور چھوٹے کی ۱۲ یا ۱۳ سال رہی ہوگی، حضرت پیر صاحب کے طرز کا جبہ ودستار پہنے ہوئے، بڑی شستہ انگریزی زبان، امریکن لہجے میں بولتے ہوئے ملے، پہلے پہل تو ہم سمجھ نہیں پائے کہ آخر قصہ کیا ہے، بعد میں پتہ چلا کہ یہ دو بھائی امریکہ ہی میں پیدا ہوئے، حفظ وعالمیت کرنے کے لئے زامبیا، (جامعہ زینب) میں پڑھنے کے لئے آئے ہیں اور ان بچوں کی والدہ بھی ان کے ساتھ مقیم ہیں۔ اور والد محمد عمر حسینی جو حضرت پیر صاحب کے خلیفہ ہیں وہ وقفہ وقفہ سے زیارت کے لئے تشریف لاتے رہتے ہیں۔ یہ دونوں بھائی اردو، انگریزی جہاں بول اور سمجھ لیتے ہیں وہیں حیرت اس بات پر ہوئی کہ عربی زبان میں بھی اپنے مافی الضمیر بہتر طریقہ سے ادا کر لیتے ہیں۔

اس دور میں جہاں مہنگائی نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، تو تعلیم جیسا مقدس ادارہ اس کی دسترس سے کیسے بچ سکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب ہمارے طلبہ طب، انجینئرنگ یا کسی اور میدان میں اعلیٰ تعلیم مکمل کر کے فارغ ہوتے ہیں، تو ان کے سامنے سب سے اہم مسئلہ اچھی نوکری کا ہوتا ہے، کہ جتنا خرچ تعلیم پر ہوا ہے، جتنا جلد ہو سکے واپس لیا جائے، اور پھر ملٹی نیشنل کمپنیاں ہوں کہ نیشنل، یہ اپنے یہاں کام کرنے والوں کو مکمل نچوڑ لیتی ہیں، انہیں مزید اور کسی طرف سوچنے کا موقع نہیں مل پاتا ہے، اور پھر فیملی، ماں باپ رشتہ دار وغیرہ وغیرہ میں عام طور پر انسان ایسا الجھ جاتا ہے کہ وہ اپنا وقت دینی تعلیم حاصل کرنے میں لگانا چاہتا

بھی ہے تو بمشکل اس کے لئے وقت نکال پاتا ہے، اور پھر اگر خاتون خانہ ہو یا امور خانہ داری کے ساتھ ملازمت بھی کررہی ہو، تو مسئلہ اور بھی مشکل ہوجاتا ہے، اگر کسی نے کچھ وقت نکالا بھی تو بمشکل تمام ایک آدھ سال مکمل کر پاتا ہے، جس کی زندہ مثال، برصغیر کے طول وعرض میں چلنے والے مسائی یا مختصر مدتی عالم کورس ہیں، مگر حضرت پیر صاحب کے منسلک ومتعلق حضرات کو ہم نے دیکھا کہ مرد ہوں کہ خواتین وہ اپنی پروفیشنل زندگی کے ساتھ ساتھ عالمیت کو بھی مکمل پڑھ رہے ہیں، ماضی میں ایسا بہت کم دیکھنے کو ملا ہے۔ اس سے جہاں یہ فائدہ ہوا کہ سلوک وتصوف سے جڑے رہتے ہوئے علم دین، باوثوق علماء، جو اکابرین اور اسلاف کے منہج وطرز پر درس وتدریس کا کام انجام دیتے ہیں ان کے ذریعہ علم دین کو حاصل کررہے ہیں، وہیں ان حضرات کی طرز تربیت سے ان میں، نصوص شریعہ سے استفادہ کرنے کی صلاحیت پروان چڑھ رہی ہے، اور ان کی صحیح تعبیر وتشریح جو اسلاف واکابر اور جمہور علماء امت کے متوارث فہم دین کا جو خاص منہج ہے، یہ حضرات انہیں کے خوشہ چیں ہونے کی بناء پر آج کل جو علماء وائمہ فقہاء ومحدثین کو اپنے سے کمتر سمجھنے اور ان کی گردنیں ناپنے کا نعوذ باللہ امت کے بعض نام نہاد علوم شریعہ کے محافظین وترجمان کہلانے والوں کے اندر چلن سا ہوگیا ہے، جسے تحقیق وتنقید کے نام پر مزید بڑھاوا دیا جاتا ہے، ان تمام بظاہر دانشورانہ اور درحقیقت جاہلانہ افراط وتفریط سے یہ عصری علوم کے حاملین محفوظ رہ جاتے ہیں، عالمیت سے فراغت کے بعد ان کا اعتماد اپنے علماء کے فہم دین وشرح دین کے حوالے سے مزید پختہ تر ہوجاتا ہے۔ ساتھ ہی دور حاضر کے تقاضوں کی مکمل رعایت کرتے ہوئے اسلام کی ترجمانی کا سلیقہ بھی ان کے پاس ہوتا ہے۔

حضرت پیر صاحب کی مجالس اور بیانات کا اسلوب

ہر زمانے کی ایک زبان ہوتی ہے جس کو قبول عام، قدرتی عوامل، دنیاوی اسباب اور تکوینی وجوہات کی بنا پر نصیب ہوتا ہے۔ اس زبان میں اگر لوگوں کو مخاطب کیا جائے تو فائدہ کا دائرہ وسیع تر ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ہر عہد میں بات کو پیش کرنے کا ایک خاص طریقہ اور اسلوب ہوتا ہے۔ بات کو چاہے جتنا دل نشین، مدلل اور جامع انداز میں پیش کیا جائے مگر اس میں زمانے کے اسلوب اور اس دور کے نفسیات کی رعایت نہ کی جائے تو اسے وہ اثر پذیری نہیں ملتی جو مقصود ومطلوب ہوتی ہے۔

آج کے دور میں برصغیر کے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے، عموماً کسی عالم، خطیب یا مقرر کو اپنی بات کو پہنچانے کے حوالے سے جن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان میں ایک دور حاضر کی نفسیات کا مسئلہ ہے۔ اور یہ اس وقت مزید پڑھ جاتا ہے جب سامعین کا تعلق پڑھے لکھے طبقے سے ہو۔ عام طور پر یہ حضرات

جوعصری تعلیم گاہوں سے فارغ ہوتے ہیں، مغربی علوم وفنون پر جن کی نظر ہوتی ہے، اوران دانش گاہوں سے مربوط اوران کے فکروفلسفے، طرز واسلوب اوراستدلال، تحقیق وریسرچ کے طریقۂ کارکو چونکہ انہوں نے شروع سے دیکھا، پڑھا، برتا اوراپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا ہوتا ہے یا کم ازکم اس طرح کے لوگوں کے اردگرد ان کی زندگی کے شب وروز گزرتے ہیں، توایسے حضرات کا ایک ذہنی اورفکری سانچا بن چکا ہوتا ہے۔ یہ حضرات ہر چیز کواسی سانچے میں رکھ کر، انھیں معیارات پرتول کراپناتے یا، ردکرتے ہیں۔ ان جیسے حضرات کے سامنے بات کورکھتے وقت اگر کسی ایسے طرز واسلوب اورپیشکش کے طریقۂ کارکوکام میں لایا جائے، جس سے ان کے دماغ وذہن آشنا نہ ہوں، یا ان کے مانوس طرز کونظرانداز کرکے بات کی جائے تو تقدس وعظمت کے کانوں سے تو وہ بات سنی جاسکتی ہے مگران کی عقلوں کواپیل اوردلوں کومتوجہ کرنے میں ناکام ثابت ہوگی۔

اسی طرح سے برصغیر میں اردوزبان اپنوں کی بے اعتنائی اورغیروں کی سازشوں کے نتیجہ میں ختم تو نہ ہوئی مگراس کا معیار اتنا نیچے آگیا کہ خالص اردوزبان میں، اظہار مدعا، اب ترسیل وتبلیغ کلام کے نقطۂ نظر سے ناکافی ہوگیا ہے۔ اردوزبان کو بالکل سادہ رکھتے ہوئے، جابجا انگریزی زبان کے الفاظ واصطلاحات استعمال کرنا ناگزیر ہوتا جارہا ہے۔

ان مذکورہ بالا باتوں کو سامنے رکھ کر، جب ہم حضرت پیر صاحب کے عام مواعظ کا عموما اور اعتکاف میں ہونے والے بیانات اورمجلسوں کا خصوصا، بغورمطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت پیر صاحب مذکورہ بالا امور کی بالخصوص رعایت کرتے نظرآتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر معلوم ہوتی ہے کہ حضرت پیر صاحب اپنی مجلسوں اور بیانات میں کسی بات کی تائید میں مغربی دانش گاہوں اورریسرچ سینٹروں میں ہونے والی سالہا سال کی علمی وسائنسی تحقیقات کو بھی مضمون کی نوعیت کے اعتبار سے اورمخاطب لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ اورمغربی علوم وفلسفہ پرنظر رکھنے والے اہل علم وفکر سے یہ مخفی نہیں ہے کہ اصلاحی وتربیتی اورروحانی مجالس میں اس طرح کی تحقیقات کوپیش کرنا ایک بہت ہی نازک مسئلہ ہوتا ہے، پانی میں چلنا اوردامن کوتر ہونے سے بچانا، کارے دارد ہے؛ کیوں کہ اس طرح کی مجالس کا مقصود، جہاں اللہ ورسول سے بندوں کو جوڑنا، اوران کے اندر اسلام کی عظمت اوراس کے نظام حیات کے، دنیا وآخرت میں کامیابی سے ہمکنار کرانے والا ہونے پر دل وجان سے یقین کا پیدا کرانا ہوتا ہے، وہیں غیراللہ کی محبت کا دلوں سے نکالنا اورغیراسلامی نظریات کے باطل اورانسانیت کے لیے مضر ہونے کا یقین سامعین کے دلوں میں بٹھانا ہوتا ہے۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھا، سننے والوں نے

سنا اور کہنے والوں نے کہا کہ حضرت پیر صاحب کا، اپنے بیانات اور مجالس میں، مغربی علوم اور ریسرچ وتحقیق سے استفادہ پر" خذ ما صفا ودع ما کدر" کی تعبیر بالکل صادق آتی ہے۔ اور سامعین کے دل میں مغرب اور اس کے علوم وتحقیقات کی عظمت بالکل نہیں بیٹھتی بلکہ اس کا شائبہ بھی کسی کے تصور وخیال میں نہیں آتا۔

مجالس اور بیانات کے مضامین

مادیت پرستی اور روحانیت سے دوری نے انسانی زندگی کو بے لطف اور بے مزہ کر دیا ہے۔ ہر انسان، قدرے فرق کے ساتھ اس بے لطفی اور بے مزگی کو محسوس کر رہا ہے۔ اب یہ مرض صرف غیر مسلموں کے ساتھ خاص نہیں رہا، بلکہ مسلم معاشرے بھی اس مرض سے ہلکان ہوے جا رہے ہیں۔ مزید یہ کہ انفرادی، خاندانی ومعاشرتی زندگی، اسلامی خطوط پر گامزن نہ ہونے کی وجہ سے انتشار، جھگڑے، حقوق کی پامالی، ظلم وزیادتی، عدالتوں کے مقدمے، طلاق وخلع کی کثرت اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے عدم اطمنان و بے سکونی نے، خاندان کے شیرازے کو بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ اس کے سب سے زیادہ شکار معصوم بچے ہو رہے ہیں، اس کے منفی اثرات ان کی تعلیم وتربیت پر پڑ رہے ہیں، جس کے نتیجہ میں وہی امراض مسلم معاشرے کے جسم میں پیدا ہو رہے ہیں جو مغربی معاشرے کی آج علامت بن چکے ہیں۔

اس مسئلہ کا اصل حل، جہاں فرد کی اصلاح ہے، وہیں فرد اور معاشرے کی دوسری اکائیوں کے درمیان حقوق اور ذمہ داریوں کا جو باریک اور نازک رشتہ ہے، اسے دین اسلام نے جو بنیادیں فراہم کیں ہیں، ان بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ، زندگی کی ترجیحات جو دور جدید کے خوش نما اور خوش کن نعروں نے بدل دی ہیں اسے از سر نو، بڑی حکمت کے ساتھ اعتدال پر لانے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی کہ مرد وعورت کے کاموں کی جو فطری تقسیم تھی، جس سے معاشرے کی گاڑی اپنی سمت پر گامزن رہتی تھی۔ اس تقسیم کے خلاف، دورِ جدید نے، مغرب کی قیادت میں، بغاوت کا جو صور پھونکا، تو جہاں معاشرے کے کل پرزے اتھل پتھل ہو کر رہ گئے، وہیں مشرقی معاشروں میں بھی اس کے گہرے اثرات عیاں ہیں۔ یہ بات بھی ہمارے ذہن میں تازہ رہے کہ معاشرے اور فرد کی فلاح وبہبود اور فساد وبگاڑ بڑی حد تک عورت کی اصلاح وفساد پر منحصر ہے۔ اس لیے حضرت پیر صاحب کی اصلاحی وتربیتی کوششوں کا جب ہم بغور جائزہ لیتے ہیں تو وہاں فرد کی اصلاح کے ساتھ امت میں اجتماعیت کے پیدا کرنے، مرد وعورت کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کے تئیں بیدار کرنے، اور اسلامی روایات ودینی اقدار کو، دور حاضر کی تیز رفتار تبدیلیوں کو نظر انداز کئے بغیر ان کے دلوں میں، بٹھانے اور عملی زندگی میں انھیں برتنے پر آمادہ کرتی

دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت پیر صاحب نے عورتوں پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے، ان کے لئے، مدارس اور جامعات کا نظم عالمی سطح پر کررہے ہیں۔ اعتکاف کے ایام میں بھی ہر روز، خواتین کی خصوصی مجلس کو بھی معمولات کا لازمی حصہ بنایا ہے، جو صبح تقریباً 11 بجے سے 12 تک ہوتی، جس میں انٹرنیٹ کے ذریعہ، معتکف ہی سے پوری دنیا میں نشر کیا جاتا۔ ان مجالس کی اہمیت کا اصل اندازہ تو انہیں سن کر ہی ہوسکتا ہے، مگر قارئین کے استفادہ کے لیے یہاں ان مجالس کے صرف عناوین پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) مثالی ماں (۲) مثالی بیٹی (۳) مثالی بہن (۴) مثالی بہو (۵) مثالی بیوی (۶) مثالی طالبہ (۷) مثالی ساس

گذشتہ سال حضرت پیر صاحب نے، عورتوں کے لئے، اعتکاف کے دوران خصوصی مجالس میں، مسلم خاتون کی زندگی میں نظم وضبط، سلیقہ شعاری کے اصول Management in the Life of Muslim Woman کے عنوان کے تحت جن موضوعات پر روشنی ڈالی وہ یہ تھے:

(۱) جسمانی صحت کا خیال Health management
(۲) مزاج اور غصے کو قابو کرنا Anger Management
(۳) وقت کا خیال Time management
(۴) تعلقات کو نبھانے کا سلیقہ Relationship management
(۵) نیند کے اوقات کا نظم Sleep managemtn
(۶) گھریلو نظم وضبط کا سلیقہ Household management
(۷) باورچی خانہ کے امور کا سلیقہ Kitchen management
(۸) تقاریب کے انتظام کا سلیقہ Party management
(۹) عزت وآبرو کی حفاظت اور پیار ومحبت کا سلیقہ Romance and Chastity Protection management

عورتوں کی طرح مردوں کے لئے بھی اسی طرح کے موضوعات پر بات کی گئی، جس کی اہمیت کا ہلکا سا اندازہ درج ذیل عناوین سے کیا جاسکتا ہے: (۱) مثالی باپ (۲) مثالی بیٹا (۳) مثالی بھائی (۴) مثالی داماد (۵) مثالی شوہر (۶) مثالی طالب علم (۷) مثالی سسر

حضرت پیر صاحب کی شخصیت

لوگوں میں حضرت پیر صاحب کے بیانات کی تاثیر کی سب سے بڑی وجہ یہ محسوس ہوتی ہے، کہ

حضرت پیر صاحب، محض صاحب قال وکمال نہیں بلکہ وہ صاحب حال وصاحب دل ہیں، وہ جو کہتے ہیں وہ ان کے دل سے نکلتا ہے اس سے خلق کے دل پر اپنا اثر چھوڑ تے ہیں، بیان کے دوران سراپا درد واثر ہوجاتے ہیں، جس سے انسان اپنی نفسی کیفیات میں ایک مثبت تبدیلی محسوس کرتا ہے، اعمال اور اخلاق کی کمزوریوں سے اپنے آپ کو نکالنے کی ایک تڑپ اور لگن اس کے اندر پیدا ہوجاتی ہے، زندگی کو سب کچھ سمجھنے اور اسی کے لئے جینے اور اسی کے لئے مرنے کا جزبہ ماند پڑ جاتا ہے، آخرت فراموشی کی کیفیت سے اپنے کو نکالنے کا مصمم ارادہ کرتا ہے، اور پچھلی زندگی سے تائب ہوکر نئی زندگی اختیار کرتا ہے۔ بات صرف تقریروں اور مجلسوں تک نہیں رہتی، بلکہ بعض حضرات کو حضرت پیر صاحب، اکابرین واسلاف کے طرز پر، اپنی خاص صحبت میں عرصے تک رکھتے ہیں، جس سے انھیں جب حضرت کے شب وروز اور اتباع سنت کا اہتمام صرف ظاہر اور چال ڈھال میں نہیں بلکہ عمل اور معاشرت ومعاملات میں بھی بدرجۂ اتم، ان کی سیرت وکردار میں نظر آتا ہے، تو وہ اسے اپنائے بغیر نہیں رہتے، اور یہی صحبت شیخ کا فیض ہوتا ہے جو کندن کو سونا بنا دیتا ہے۔

آخری بات

اس تمام دراز نفسی سے مقصود قارئین کے سامنے کارگزاری پیش کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مدعا یہ ہے کہ مغرب کے تسلط کے بعد برصغیر میں زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی تہذیب وتمدن، دینی تشخص وحمیت کے لحاظ سے جو انحطاط آیا، اور عصری تعلیم واسلامی تعلیم، جدید اور قدیم کی عالم اسلامی میں جو جنگ چل رہی تھی اور چل رہی ہے، جس کی شدت کا احساس ہر طرف ہے اور جس کے منفی اثرات نے وحدت اسلامی کی چولیں ہلا دیں اور مسلمانوں کو دو دھڑوں میں تقسیم کرکے رکھ دیا ہے، اسے ختم کرنے کی ایک کامیاب کوشش، ایسا محسوس ہوتا ہے، حضرت پیر صاحب کے ذریعہ سے ہورہی ہے، جس تعداد اور جس لیاقت وصلاحیت کے حامل حضرات اس کوچہ جاناں میں قدم رکھ رہے ہیں اور جس وارفتگی اور سپردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں، اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ نے دور جدید کے اس خاص کام کے لئے، جس کی اہمیت کا کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والا انکار نہیں کرسکتا، اللہ نے حضرت پیر صاحب کو چن لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم حضرت پیر صاحب کی شخصیت میں ہمہ جہتی کے ساتھ اضداد کا اجتماع بھی دیکھ سکتے ہیں، جس نے انھیں، اس زمانے کی جو ضرورت تھی مربی اور شیخ طریقت ہونے کی حیثیت سے، اللہ نے ان میں جمع کردی ہیں۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے۔ ؎

مزہ برسات کا چاہو تو ان آنکھوں میں آبیٹھو
سیاہی ہے سفیدی ہے شفق ہے ابر باراں ہے

☆☆☆